سربلندی کا دعوتی منشور

معتدل دعوتی عمل کی تعمیر سے متعلق

مصنف
ڈاکٹر ہشام الطالب

سربلندی کا دعوتی منشور

معتدل دعوتی عمل کی تعمیر سے متعلق

ڈاکٹر ہشام الطالب

اِنسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز، نئی دہلی

سربلندی کا دعوتی منشور

معتدل دعوتی عمل کی تعمیر سے متعلق

Sarbulandi Ka Dawati Manshoor

Motadil Dawati Amal Ki Tameer Se Mota'alliq

(ميثاق الشرف الدعوي)

نحو بناء عمل دعوي معتدل

Author: **Dr. Hisham Al-Talib**

© جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

ضروری نہیں کہ مصنف کے افکار و خیالات ناشر، تقسیم کار یا پرنٹر کے موافق ہوں۔

ISBN: 978-81-89964-92-4

ترجمہ	:	ڈاکٹر غطریف شہباز ندوی
نظر ثانی	:	ڈاکٹر سید نکہت حسین ندوی
کل صفحات	:	111
پہلا ایڈیشن	:	2014
دوسرا ایڈیشن (مع حذف و اضافہ)	:	2020
قیمت	:	Rs. 40/-
تزئین	:	محمد اطہر حسین (آئی او ایس)
مطبع	:	بھارت آفسیٹ، گلی قاسم جان، دہلی۔۱۱۰۰۰۶

ناشر

انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز

162، جوگا بائی، جامعہ نگر، نئی دہلی-110025

Tel.: 91-11-26981187, 26989253, 26987467

ملنے کا پتہ

قاضی پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز

B-35، حضرت نظام الدینؒ (ویسٹ)، نئی دہلی-110013

Tel.: 91-11-41827475, 24352732, 24352048

E-mail: qazipublishers@yahoo.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

والعصر ان الانسان لفی خسر
الا الذین آمنوا وعملوا الصالحات
وتواصوا بالحق وتواصو بالصبر.

''زمانے کی قسم، انسان درحقیقت خسارے میں ہے، سوائے
ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے اور
ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔''

اس دعوتی منشور کا خلاصہ

تمام مسلمانوں کو بالعموم اور داعیان اسلام کو بالخصوص اس بات کی دعوت دینا کہ وہ چند ایسے اصول اور قواعد وضوابط کے مجموعے پر متفق ہو جائیں، جو مجموعی طور پر دعوتی عمل کے لیے سربلندی کا ایک منشور اور فکر وعمل کا ایک دستور تشکیل کرتے ہوں، اس طور پر کہ اتحاد، درستگی اور اثر انگیزی کا میدان وسیع ہو اور اختلاف، غلطی اور تساہلی کی گنجائش کم ہو۔

(اس ''دعوتی منشور'' میں قرآن کریم کی تمام آیات کا ترجمہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تفہیم القرآن سے نقل کیا گیا ہے۔)

فہرست

مقدمہ طبع ثانی ۱۳

مقدمہ طبع اول ۱۵

منشور سے متعلق نقطۂ نظر ۲۵

پہلا محور: وہ اسلام جس کے ہم داعی ہیں ۲۹

مکمل توحید ۳۱

دین توحید اور وحدت ۳۲

بنیادی سرچشموں کی طرف رجوع ۳۳

اسلام اللہ کا دین ہے اور وہ ہمہ گیر دین ہے ۳۴

عبادت کی جامعیت کا مفہوم ۳۴

اسلامی اخوت ۳۵

طاقت ور مومن ۳۵

بناوٹی دینداری سے احتیاط ۳۶

طاعات و معاصی ۳۷

دوسرا محور: اسلامی مسائل ۳۹

اسلام میں خاندان ۴۱

مسلمان عورت ۴۱

اسلام میں آزادی	۴۲
اسلام میں انسان کے حقوق	۴۳
اسلام میں انسانی بھائی چارہ	۴۳
وطن اور ملت دونوں سے وفاداری	۴۴
تیسرا محور: دعوت کے میدان میں کام کرنے والوں کے درمیان افراد اور اداروں کی سطح پر تعلقات	**۴۵**
دعوتی عمل کی یکجہتی	۴۷
تخصص کا احترام	۴۷
داعی اور بہترین موقع	۴۷
مشترک راستہ	۴۸
وحدت فکر	۴۹
مسلمانوں کی ایک جماعت	۴۹
سرکاری اور عوامی	۴۹
ادارہ جاتی عمل	۵۰
اجتماعی روح	۵۱
شوریٰ	۵۱
پرامن طریقہ کار	۵۱
مطلوبہ خصوصیت	۵۲
اعتراف، نہ کہ تقدیس	۵۲
دوسرے کو خوش آمدید کہنا	۵۳
ہم خوبی و اچھائی کے اجارہ دار نہیں	۵۳

چوتھا محور: دعوتی عمل میں ارتقاء وصلاحیت سازی ۵۵
اہداف کا تعین ۵۷
مستقبل کی جانب ۵۸
بصیرت مندانہ تجدید ۵۹
خود کفیل ہونا ۵۹
قابل عمل نمونہ ۵۹
رتبے کی طلب نہ ہو ۶۰
مستحق کو مقدم کرنا ۶۱
پابندی، جس سے مفر نہیں ۶۱
نرگسی مزاج رکھنے والے (خود پسند) اور جدائی کا لمحہ ۶۲
مثبت روح ۶۳
تاثیر واہتمام کے دو دائرے ۶۳
انسانوں کی ذمے داری ۶۴
داعیان دین نتائج کے بھی ذمے دار ۶۴
محاسبے کی اہمیت ۶۵
پانچواں محور: دعوت کی سوجھ بوجھ ۶۷
اجتماعی اجتہاد کی سوجھ بوجھ ۶۹
اختلاف کی سوجھ بوجھ ۶۹
فقہی مسالک کی سوجھ بوجھ ۷۰
مقاصد کی سوجھ بوجھ ۷۱
ترجیحات کی سوجھ بوجھ ۷۲

نتائج کا فہم ۷۲
صورت حال کا ادراک ۷۳
وسطیت واعتدال کی سوجھ بوجھ ۷۳
بھلائیوں اور برائیوں کی سوجھ بوجھ ۷۴
الٰہی سنتوں کی سوجھ بوجھ ۷۴
تدریج کی سوجھ بوجھ ۷۵
مرحلہ واریت کی سوجھ بوجھ ۷۵
انتخاب کی سوجھ بوجھ ۷۶
فتنوں کے ساتھ رویے کی سوجھ بوجھ ۷۷

چھٹا محور: منہجی اصول ۷۹

اسلام اور اسلامی عمل ۸۱
بہترین طریقۂ کار ۸۱
دعوت عام ۸۱
قرآنی اصول ہی مرجع ہیں ۸۲
جہاں لوگوں نے چھوڑا وہاں سے آغاز ۸۲
واضح تحریریں ۸۲
درست اصطلاحات ۸۳
خطرات کے شعور کو پروان چڑھائیں ۸۴
اخلاص بھی درستگی بھی ۸۴
جوش بھی ہوش بھی ۸۵
اقدامی شجاعت ۸۶

باز رہنے کی شجاعت	۸۶
مطلوبہ سکون	۸۷
متعین معانی کا اعتبار، نہ کہ ناموں کا	۸۷
ہمارے معاشرے مسلمان تو ہیں، لیکن	۸۷
نومسلم	۸۸
فتوحات بھی شکستیں بھی	۸۹
فتن وملاحم کی احادیث کے تئیں صحیح موقف	۸۹
مستقبل تو اسلام ہی کا ہے	۹۰
ساتواں محور: مقاصد اور وسائل	**۹۱**
اہداف ووسائل	۹۳
باصلاحیت نوجوانوں پر توجہ	۹۳
گفتگو کا ادب	۹۳
کبھی غیر ترجیحی عمل بھی اولیٰ ہوسکتا ہے	۹۴
مطلوبہ تفریح	۹۴
تنازعے سے گریز	۹۴
عربی کی اہمیت	۹۵
وسیلہ اور مقصد بیک وقت	۹۵
آٹھواں محور: منہجی احتیاطیں	**۹۷**
پیغام نہ کہ پیشہ	۹۹
قیادت کا ایک ہی مرکز ہو	۹۹
تبدیلی کے فریب	۱۰۰

ردعمل	۱۰۰
ذہنی تعیش	۱۰۰
تعصب اور جانب داری	۱۰۱
باطل کے مقابلے میں سربلند	۱۰۲
روایات نہ کہ دین	۱۰۲
بے عملی، بدعملی اور کاہلی	۱۰۳
فضول وتباہ کن گفتگو	۱۰۴
زبردست کوتاہی	۱۰۵
پراسراریت کے خطرات	۱۰۵
عمومیت کے خطرات	۱۰۶
سازشی نظریہ	۱۰۷
مفید تضادات	۱۰۷
خاتمہ	**۱۰۹**

مقدمہ طبع ثانی

اخلاصِ نیت، بے دار مغزی، بہتری کی خواہش، حادثات سے معمور گزشتہ برسوں کی ممکنہ عبرتوں کے گہرے شعور سے منظر عام پر آنے والے اس منشور کے پہلے ایڈیشن کی ایک دہائی بعد کتاب پر نظر ثانی اس بات کا ثبوت ہے کہ ایک باوقار اور دانش مندانہ عمل ہے، جس سے اللہ عزوجل کی رضا مطلوب ہے اور جس سے ہر طرح کے گروہی، جماعتی، علاقائی اور نسل پرستانہ تعصّبات سے ماورا پوری امت کا مفاد عزیز ہے۔ یہ کتاب روح کو ظاہر پر، مقصد کو وسیلے پر اور مضمون کو شکل پر ترجیح دیتی ہے، تاکہ اسے سبھی کے لیے ایک لائحۂ عمل کے طور پر پیش کیا جائے۔ اس سے بھرپور فائدے اٹھایا جائے۔ اس کی خوبیوں کا اعتراف کیا جائے، اس میں پائی جانے والی خامیوں اور کمیوں کی طرف متوجہ کیا جائے اور ان کا تدارک کیا جائے۔

اسی مبارک جذبے سے سرشار دوسرے ایڈیشن کی تیاری ہوئی، جس میں اہم اصولوں کا اضافہ کیا گیا۔ کچھ عبارتوں میں تبدیلی کی گئی، تاکہ وہ زیادہ مؤثر اور قابل قبول ہوں۔ مفہوم کو زیادہ واضح کرنے والی ہوں۔ کہیں اضافہ کیا گیا، کہیں کمی کی گئی۔ اس طرح نیا ایڈیشن پہلے سے بہتر ہوا اور امید ہے کہ تیسرا ایڈیشن پہلے دونوں ایڈیشن سے بہتر ہوگا۔

اس منشور کو بہت سے لوگوں نے تحسین وستائش سے نوازا۔ ہم صرف عزت مآب استاذ صالح الحصین رحمہ اللہ کے تعریفی وتوصیفی کلمات کی طرف اشارہ کرنے پر اکتفا کریں گے، کیوں کہ ان کی تعریف قابل قدر اور لائق احترام ہے۔ مرحوم صاحب بصیرت تھے۔ شرعی علوم سے آراستہ تھے۔ قانونی موشگافیوں کے ماہر تھے۔ اس کے علاوہ اصابت رائے، اخلاص، زہد وتقویٰ کے اعلیٰ مرتبے پر فائز تھے۔ ساتھ ہی اسلامی عمل کی خوبیوں اور لغزشوں پر گہری نظر رکھتے تھے۔ ادبی شان سے متصف ہونے

کے باوجود تعریف میں تکلف سے کام نہیں لیتے تھے۔ کسی کی بیجا تعریف نہیں کرتے تھے۔ اللہ آپ کو وسیع رحمتوں سے نوازے اور امت کو آپ کا بدل عطا فرمائے۔

اسی طرح میں اس بات کا بھی دعویٰ نہیں کرتا کہ میرا مطالعہ غلطیوں سے مبرا ہے یا باکمال ہے۔ یہ شان تو رسولوں اور انبیا کی ہے۔ درحقیقت جس نے اپنے علم کو مکمل سمجھا، اس نے جہالت کا ثبوت دیا۔ علم تو بحرِ بے کراں ہے۔

میں اس شخص کی طرح ہوں، جس نے کہا: ''میرا خیال ہے کہ انسان جس دن کوئی کتاب تحریر کرتا ہے، اس کے اگلے دن کہتا ہے: اگر اسے تبدیل کر دیتا تو اچھا ہوتا، اگر یہاں اضافہ کر دیتا تو حسن بڑھ جاتا، اگر اسے پہلے لکھ دیتا تو زیادہ بہتر ہوتا، اگر یہ جملہ نہ لکھتا تو زیادہ خوب صورت ہوتی۔ یہی عبرت کا مقام ہے اور یہی تمام انسانوں پر نقص کے غلبے کی دلیل ہے۔''(۱)

اے اللہ! تو پاک ہے۔ تعریف تیرے ہی لیے ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ میں تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔

صلى الله وسلم على نبينا محمد وعلى آله وصحبه وسلم تسليما كثيرا.

ہشام الطالب
۱۴۴۰/۲۰۱۹ھ

(۱) یہ مقولہ قاضی عبدالرحیم البیسانی کا ہے۔ دیکھیں:
- القنوجی، صدیق بن حسن، ابجد العلوم ''الوشی المرقوم فی بیان أحوال العلوم''، تحقیق: عبدالجبار زکار۔ بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۷۸، جلد: ۱، صفحہ: ۷۰۔

مقدمہ طبع اول

آج عالم اسلام میں ایک ہمہ گیر اسلامی بے داری کی لہر جاری ہے، جو ایک مثبت ومبارک مظہر ہے۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ امت مسلمہ غفلت سے بے دار ہو رہی ہے۔ اپنے آپ کو پہچان رہی ہے۔ اپنے دین پر فخر کر رہی ہے۔ اپنی پس ماندگی سے نکلنے کے فراق میں ہے اور فکر وعمل کی غلامی سے آزادی کی طالب ہے۔

اللہ تبارک وتعالی کی مشیت سے بے داری کی یہ لہر غیر مسلم ممالک میں بھی پہنچ رہی ہے۔ جہاں تعلیم حاصل کرنے یا کام کے لیے بیرونی ممالک سے آنے والے مسلمانوں کی جماعتیں پائی جاتی ہیں۔ یہ اچھی بات ہے کہ حالیہ برسوں میں یہ جماعتیں منظّم ادارہ جاتی کام کی طرف متوجہ ہوگئی ہیں، تاکہ انھیں ایسے فقہی مراجع میسر ہوں، جو ان کو دین ودنیا کے معاملے میں فتویٰ دیں۔ اسی طرح انتظام وانصرام کے امور سے متعلق مراجع بھی ہوں، جو ان کے مسائل حل کریں، منصوبہ بندی کریں اور جہاں ہوں، وہاں کے سرکاری شعبوں میں مسلمانوں کی نمائندگی کریں۔ فی الواقع یہ ایک نمایاں کام یابی ہے۔ جس سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ یہ مسلم جماعتیں، پڑھنے کے لیے آنے والے طالب علم، سیر وتفریح کرنے والے سیاح اور روزی حاصل کرنے والے نادار کی امنگوں سے آگے بڑھ چکی ہیں۔ کیوں کہ اس قسم کے آنے والے چاہے جتنے اچھے اور باصلاحیت ہوں، ان کا معاملہ پھر بھی عارضی ہوتا ہے۔ صلاحیت محدود ہوتی ہے۔ ان کی محنت اچھی بھی ہو، مگر اس کا فائدہ کم اور اثرات محدود ہوتے ہیں۔

بعض مظاہر

اس مبارک مظہر کی مختلف صورتیں ہیں اور مختلف حالات میں اس نے مختلف شکلیں اختیار کی ہیں۔ چنانچہ مغرب میں رہنے والوں میں بیداری کی یہ لہر اسلامی مرکز یا مسجد یا سرمایہ کار کمپنی یا مالی اداروں کے قیام کی شکل میں یا مکانوں کے لیے قرضے دینے والے منصوبوں کی شکل میں جلوہ گر ہوئی

ہے یا دینی مجلّہ، اخبار، تصنیف وتالیف اور ترجمہ ونشر واشاعت کی سرگرمی کی شکل میں ظاہر ہوئی ہے۔ اسی طرح بعض اداروں کی طرف سے دعوت وتبلیغ کے لیے کوئی نمائندہ مقرر کرنے یا ایسی جماعت کی تشکیل دینے کی شکل میں ظاہر ہوئی ہے، جو اسلامی ملک میں اسلامی شریعت کے نفاذ کا مطالبہ کرے یا کوئی تحریک کسی مسلم ملک کو غاصبانہ قبضے سے آزاد کرانے کی جدوجہد کر رہی ہے وغیرہ۔

بلاشبہ یہ ساری چیزیں خوش آئند ہیں اور دعا وحوصلہ افزائی کی مستحق ہیں اور ساتھ ہی ان کی رہ نمائی واصلاح کی بھی ضرورت ہے۔

متعدد عوامل

یہ اسلامی بیداری کے متعدد عوامل کا ثمرہ ہے۔ یہ مختلف اجتماعی، انفرادی، منظّم وغیر منظّم، سرکاری وغیر سرکاری کوششوں کا نتیجہ ہے اور سب سے پہلے یہ فطری اور اصلی اظہار ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ امت اپنی حقیقت واصلیت کی طرف لوٹنا چاہتی ہے۔ یہ کھلی دلیل ہے کہ یہ دین محفوظ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نگہبانی وامان میں ہے۔

ہر اس شخص کو جو اس مظہر کا مطالعہ کرنا اور اس کی تاریخ لکھنا چاہے، اسے اس کے آغاز کی تعیین میں پریشانی پیش آئے گی۔ کیوں کہ اس مظہر اور اس کی مشابہ صورتوں کی جڑیں پرانی ہیں، جو کبھی ظاہر ہو جاتی ہیں، کبھی غائب۔ یہ کوششیں دور تک وسیع وعریض ہیں، جو کبھی سطح پر ظاہر ہوتی ہیں، کبھی اندر چلی جاتی ہیں۔

پھر دعوتی کام بھی جاری رہا ہے اور جاری رہے گا۔ اس میں کمی بیشی، کم زوری وطاقت اور غلطی وصواب، بیماری وصحت جیسی چیزیں تو رہیں گی، لیکن وہ منقطع نہیں ہوگا۔ اس کی بقاء سنتِ الٰہی ہے اور اللہ کی سنت نہ تو ختم ہوتی ہے، نہ تبدیل ہوتی ہے۔

قانون تدافع

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اگر اس طرح اللہ انسانوں کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے ذریعے سے ہٹاتا نہ رہتا تو زمین کا نظام بگڑ جاتا۔ لیکن دُنیا کے لوگوں پر اللہ کا بڑا فضل ہے''

(البقرہ:۲۵۱)۔ اللہ عزوجل کے لطف وکرم اور عدل ورحمت میں سے یہ ہے کہ اس نے اپنے تمام قوانین کو غیر جانب دار اور عام بنادیا ہے۔ اسی میں سے قانون تدافع بھی ہے۔ اس کے قوانین کسی شخص، جماعت یا مذہب کی جانب داری، دشمنی یا دوستی نہیں کرتے، بل کہ اس کے سامنے سب برابر ہیں۔ جو بھی ان کے ساتھ بہتر معاملہ کرے گا، وہ کام یاب ہوگا، خواہ کوئی بھی ہو اور جو بھی برا معاملہ کرے گا، وہ ناکام ہوگا، خواہ کوئی بھی ہو۔ قانون تدافع کے فائدوں میں سے یہ ہے کہ وہ داعیان دین کو مواقع کار بھی دیتا ہے اور امید بھی جگاتا ہے اور زندگی کو متعفن اور جمود سے خراب نہیں ہونے دیتا۔ پھر وہ مسلمان کو ہمیشہ یاد دلاتا رہتا ہے کہ کائنات پر حقیقی غلبہ اللہ تعالیٰ کا ہی ہے۔ یہ معاملہ مسلمان کو مزید بھروسہ، سکون، توکل اور تحریک بخشتا ہے۔ اس کے دل کو ڈھارس بندھاتا ہے۔

اور اللہ تبارک وتعالیٰ شر سے خیر اور خیر سے شر برآمد کرتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ''قانون تدافع'' (یعنی ایک شر کو دوسرے کے ذریعے دور کرنا) کو ایک دائمی ضابطہ اور قانون بنادیا ہے، جس کی رو سے زمین کی ہر قوت- چاہے نہ چاہے- ایک دائمی حرکت میں ہے یا تو وہ دوسرے کو حرکت دیتی ہے یا خود کسی سے مغلوب ہوتی ہے۔ اسی حرکت سے اچھوں، بروں، مسلمانوں وغیر مسلموں سب کو موقع ملتا ہے کہ وہ اس حرکت حیات کے ساتھ متحرک رویہ اختیار کریں یا مردہ سلوک کا ثبوت دیں اور اچھا عمل کریں یا برا کام کریں۔

آزادی اور آزادی کا حصول

جب استعمار کو بھرپور قوت حاصل تھی تو اس نے حجاز، نجد، افغانستان اور یمن کے کچھ حصوں کو چھوڑ کر پورے عالم اسلام پر تسلط کرلیا اور اسی وقت امت بھی اپنی سرزمین کے دفاع کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی اور اس نے آزادی پر منتج ہونے والی زبردست کوششیں کیں اور اس سے اب ایک بار پھر اس بات کا مطالبہ ہے کہ وہ ثقافتی استعمار سے اپنی فکر کو آزاد کرے، جیسا کہ اس نے اپنی سرزمین کو فوجی استعمار سے آزاد کرایا۔

ثقافتی استعمار فوجی استعمار سے زیادہ خطرناک ہے۔ کیوں کہ فوجی استعمار تو زمین پر قابض ہوتا

ہے، لوگ اسے دیکھتے ہیں، اسے ناپسند کرتے ہیں اور اس سے نبرد آزما ہوتے ہیں، جب کہ ثقافتی استعمار عقل پر قبضہ کرتا ہے، لوگ اسے اکثر سمجھ نہیں پاتے، اسی لیے اس سے غافل رہتے ہیں، بل کہ بسا اوقات اس کو پسند کرتے ہیں اور اسی لیے اب آزادی کے سلسلے میں امت کی مہم زیادہ بڑی ہے اور اس کی اہمیت میں جو چیز اضافہ کرتی ہے، وہ یہ ہے کہ ثقافتی استعمار اپنے وسائل کو ہمیشہ نئی نئی شکلیں دیتا ہے۔ اس میں تنوع پیدا کرتا ہے اور گمراہی کے طریقے اختیار کرتا ہے۔ امت کے سلسلے میں انصاف کی بات یہ ہے کہ ہم اس بات کی گواہی دیں کہ اس نے شان دار مساعی کی ہیں اور مذکورہ کام یابی حاصل کی ہیں، لیکن اب اس کی ذمے داری یہ ہے کہ اپنی انھی مساعی کو جاری رکھے، تاکہ ثقافتی استعمار سے پوری طرح اور مکمل طور پر نجات ملے۔

۱۹۶۷ کی شکست

۱۹۶۷ کا سال جدید تاریخ میں ایک موڑ کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیوں کہ اسرائیل کے مقابلے میں اس وقت عربوں کی شکست ایک زلزلے کی مانند تھی، جس نے نفسیاتی، فکری، سیاسی، اجتماعی اور عسکری طور پر ان کو جھنجوڑ ڈالا۔ اس زلزلے نے -من جملہ دوسری چیزوں کے- لوگوں کو اپنی قیادتوں سے شدید ناراض کر دیا، جو کہ ہزیمت کا سبب بنی تھیں۔ اسی طرح وہ ان افکار ونظریات سے بھی متنفر ہو گئے، جن کو عرب قیادت نے اختیار کر رکھا تھا، جن میں انقلابی، لادینی، اشتراکی اور لبرل، نیز قومی وبعثی افکار تھے۔ لوگ ان نظریات سے دور بھاگنے اور ان سے نفرت کرنے لگے۔ ان کے متبادل نظریات ڈھونڈنے لگے۔ اب انھوں نے اسلام کی طرف رخ کیا۔ اس میں کوئی حیرانی بھی نہیں، کیوں کہ وہ بالآخر مسلمان ہیں۔ پھر یہ کہ افراد کی طرح جماعتیں بھی مشکلات کے وقت میں اللہ کی طرف رجوع کرتی ہیں۔

اسی لیے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ۱۹۶۷ کی شکست نے ملت اسلامیہ کو مہمیز لگائی۔ اسی لیے اس کی تاریخ کے نقوش میں یہ اہم نقش ہے۔ جو شخص بھی ۱۹۶۷ کی شکست اور اس کے منفی اثرات کو یاد کرے گا، وہ پائے گا کہ امت نے ۱۹۷۳ میں اسرائیل کے خلاف اپنی جنگ میں اس شکست کا تدارک کرنے کی کوشش کی اور ۱۹۸۹ میں افغانستان پر سویت یونین کے قبضے کو پاش پاش کیا۔

سویت یونین کا زوال

یہ بیداری دنیا بھر میں بڑھتی رہی اوراس کی اس پیش قدمی میں یقیناً کچھ نہ کچھ غلطیاں بھی ہوئی ہیں، جن میں زمان ومکان اوردعوتی مکتب فکر کے لحاظ سے تفاوت بھی رہا ہے۔ تاہم ان غلطیوں کی وجہ سے نہ اس کی خوبیوں میں کمی آئی، نہ اس کی پیش قدمی رکی۔ یہاں تک کہ وہ بڑا واقعہ ہوا، جس نے دفعتہً اس کی پیش قدمی میں اضافہ کردیا۔ یہ بڑا واقعہ ۱۹۹۱ میں سویت یونین کا زوال وانتشار تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ عظیم اتحاد اور بلاک اپنے ہی فرزندوں کے ہاتھوں شکست سے دوچار ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک سپر پاور کئی ملکوں میں تقسیم ہوکر رہ گیا۔ سوویت یونین کے زوال کے ساتھ ہی کمیونزم کو بھی زوال سے دوچار ہونا پڑا، جس کا بنیادی عقیدہ وفکر الحادی تھا اوراس وجہ سے وہ تمام مذاہب کا عمومی دشمن اور اسلام کا خاص طور پر مخالف تھا۔ اس کے زوال سے دنیا سے ایک ایسی بڑی سلطنت کا خاتمہ ہوگیا، جس سے اسلام اور مسلمان مدت دراز سے اذیتوں میں مبتلا تھے۔ اب اس سے دعوت کے لیے ایک بڑا امکان روشن ہوا، جس میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ نئے امکانات کھل رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سویت یونین کا یہ زلزلہ قانون تدافع کا ہی ایک پہلو ہے۔

۹ر ستمبر کو نیویارک کے دو برجوں کا حادثہ

۱۰ر سال بعد تیسرا زلزلہ برپا ہوا۔ وہ ۲۰۰۱ میں نیویارک میں عالمی تجارتی مرکز کی تباہی تھی۔ اس حادثے کی بہت سی تشریحات وتاویلات کی گئی ہیں اور ممکن ہے یہ بھی تاریخ کا معمہ بن کر ہی رہ جائے۔ لیکن اس کے نتیجے میں امریکا نے افغانستان وعراق پر قبضہ کیا اور جو عسکری، اقتصادی، سیاسی، ثقافتی اورابلاغی یلغار ہوئی، اس نے اسلام کو دنیا بھر میں عموماً اور یورپ وامریکا میں خصوصاً ہر خاص وعام کی گفتگو کا موضوع بنا دیا۔ آج اسلام پر بات کرنے والے زیادہ تر لوگ جہالت اور غلط فہمی سے ہی گفتگو کرتے ہیں۔ انصاف پسند کم ہیں۔ تاہم اسلام کے متعلق مثبت یا منفی نقطۂ نظر نے اسلام کو بہت

سے لوگوں کا مرکز توجہ بنا دیا۔ یہ بہترین موقع ہے، جو داعیان دین کو پکار رہا ہے کہ وہ اسلام کو بہترین انداز میں پیش کریں اور یہ بھی ''قانون تدافع'' کا ہی ایک پہلو اور ایک اچھا ثمرہ ہے۔

یقیناً اللہ عزوجل اپنی زبردست حکمت کے باعث یہ چاہتا ہے کہ جو ہوش ربا واقعات ہو چکے ہیں یا ہوں گے، ان کے نتیجے میں زمین کی اس انداز سے ہمہ گیر اصلاح ہو کہ لوگ اللہ کے درست دین کی طرف متوجہ ہوں اور پھر نوع انسانی گمراہی سے نکل کر ہدایت کی راہ اختیار کر لے اور بدبختی سے نکل کر خوش بختی سے بہرہ ور ہو جائے۔

اہم اور مطلوب شعور

بہر حال معاملہ جو بھی ہو، امت کا یہ فریضہ ہے کہ وہ درج ذیل نکات کو ملحوظ رکھے:

- اسلام کی دعوت کا یہ جو سنہرا موقع ملا ہے، اگر اسے مخلص داعیوں نے صحیح استعمال نہیں کیا تو یہ ضائع ہو جائے گا۔
- اللہ کی سنت یہ ہے کہ امت مسلمہ کو مجرد اسلام کے باعث مفت میں نصرت عطا نہیں کرتا۔
- مناسب ہے کہ امت مسلمہ کے فرزندوں میں سے ذہین، باصلاحیت اور مخلص افراد اٹھیں اور دعوتی کام کا جائزہ لیں، تاکہ ممکنہ غلطیوں سے بچا جا سکے اور اگر غلطی ہو ہی جائے تو اس کا انسداد کیا جائے اور کم از کم نقصان کے ساتھ اس کی تلافی ہو جائے۔
- ان دعوتی کاموں کے لیے نئے آفاق وسائل اور آلات کی جستجو کی جائے، تاکہ دعوتی کام بے بسی اور تساہلی کا شکار ہو کر نہ رہ جائے۔
- اسی طرح وہ دعوتی طریقہ کار کی اصلاح کا کام کریں۔
- نیز ان کو یہ کوشش کرنی چاہیے کہ کارکنوں کے مابین زیادہ سے زیادہ ہم آہنگی ہو اور اختلافات کم سے کم ہوں۔

مشکلات اور خطرات

یہ بیداری وقت پر آئی۔ لوگ اس سے خوش ہو کر سہانے خواب دیکھنے لگے۔

لیکن تصویر تبھی مکمل ہوگی، جب پرزور انداز میں اس مظہر کو لاحق مشکلات بھی بتادی جائیں، جو اس کی پیش رفت کو روکتی ہیں اور اس کو مصیبت میں ڈالتی ہیں۔

- آپ دیکھیں کہ بیداری کی بعض تحریکیں ایک دوسرے کی مخالفت کرتی ہیں۔ بسا اوقات ایک داعی دوسرے سے دشمنی کا رویہ اختیار کرتا ہے، اس کے درپے ہو جاتا ہے۔ اس طرح فتنے پیدا ہوتے اور عداوتیں پروان چڑھتی ہیں، تفرقہ بڑھتا ہے۔ یہاں تک کہ بعض لوگ ایسا سمجھنے لگے ہیں کہ مسلمانوں کے مابین عموماً اور اسلام کے لیے کام کرنے والوں کے درمیان خصوصاً اختلاف ایک جیتی جاگتی حقیقت ہے، ایک پرانا مرض اور لاعلاج بیماری ہے۔ اس سے بس وہی بچ سکتا ہے، جس پر اللہ رحم کرے۔
- اس پر یہ اضافہ اور کرلیا جائے کہ بعض مخلصانہ کوششوں میں درستگی کی کمی ہے۔ مثلاً خرچ وہاں کیا جاتا ہے، جہاں ضرورت نہیں ہوتی، بل کہ کبھی ایسی جگہوں پر کیا جاتا ہے، جو نقصان دہ اور مضر ہیں۔
- بعض اوقات افضل اور موجود کے ہوتے ہوئے غیر حاصل کم اہم کو اختیار کرلیا جاتا ہے۔

مزید یہ کہ دعوت کے میدان میں کام کرنے والے اکثر ایسے ہیں، جن پر سادگی و سادہ لوحی غالب ہے، جو غفلت کی حد تک پہنچی ہوئی ہے۔ اسی وجہ سے ان کی صفوں میں بدطینت لوگوں کا گھسنا آسان ہو جاتا ہے، جو ان کو زبردست حماقتوں اور مہلک مہم جوئی میں ڈال دیتے ہیں، جو ان کے لیے بھی نقصان دہ ہے اور ملک وقوم کے لیے بھی۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ ان سے نفرت کریں گے اور کبھی ایسا بھی ہوگا کہ ان سے نفرت کے باعث لوگ اسلام سے ہی نفرت کرنے لگیں گے اور اس سے خوف کھائیں گے۔ غالباً سب سے زیادہ جہالت کا مظاہرہ یہ لوگ سیاسی میدان میں کرتے ہیں۔ حالاں کہ اس میدان میں انھوں نے کوششیں

کی ہیں، قربانیاں دی ہیں، لیکن وہی ان کا پہلا نشانہ بھی بن گئے۔ انھیں اور ملک وقوم کو اس کی بھاری قیمت چکانی پڑی۔ یہی سب سے بڑے خطرے وخوف کی بات ہے۔

دشواریوں کے اسباب

اور بلاشبہ اس جیسے مظہر کا کوئی ایک سبب نہیں، اس لیے ضروری ہے کہ اس کے مختلف، متعدد، پیچیدہ اور تسلسل کے ساتھ جاری رہنے والے اسباب بیان کر دیے جائیں، جن میں بعض اسباب راست ہیں اور بعض بالواسطہ۔ ان اسباب میں سادگی، غفلت، عجلت اور جلد بازی ہے اور آسانی سے دوسروں کے جال میں آجانا بھی ہے اور اللہ عزوجل کی سنن وقوانین سے بے خبری بھی ہے اور ان میں خواہشات وآرزوئیں ہیں اور وہ لالچ ہے، جو مذہبی لبادے میں چھپی ہوتی ہے اور اس کے حامل لوگ غنیمت، سرداری کے یا انتقام کے طالب ہوتے ہیں اور ان میں بعض اسباب لوگوں کی فہم واستعداد کی قوت سے متعلق ہیں، جب کہ بعض امت کی موجودہ صورت حال سے تعلق رکھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس مرحلے سے امت گزر رہی ہے، وہ ایک خطرناک ونازک مرحلہ ہے اور مختلف میدانوں پر اس مرحلے کے منفی اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ انھی میدانوں میں سے دعوت اسلامی کا میدان بھی ہے۔

جب معاملہ اس خطرناک مظہر کی تشخیص کے لحاظ سے یہ ہے تو ہماری ذمے داری ہے کہ ہم یہ فیصلہ کریں کہ علاج صرف ایک حل پیش کرنے سے نہیں ہوسکتا، بل کہ متعدد حلوں کا مجموعہ پیش کیا جائے، جو ایک دوسرے کو مضبوط اور طاقت ور بنائیں۔

علاج کا آغاز

ان تمام حلوں میں سب سے پہلا اور اہم حل یہ ہے کہ اسلامی دعوت کے کارکنان کے مابین تعلقات کو استوار کیا جائے اور اس کے لیے کچھ ضابطے وضع کیے جائیں۔

کیوں کہ یہی وہ ضابطے ہیں، جو بڑی حد تک انسان کے تصور علم اور اس کے غور وفکر کے طریقوں اور میدان کار میں عمل کے محرکات کو کنٹرول کرتے ہیں۔

اور یہ بالکل بدیہی بات ہے اور سب کے نزدیک مسلم ہے کہ غلط نظریہ غلط عمل کی طرف اور صحیح نظریہ صحیح عمل کی طرف لے جاتا ہے۔

شروع میں یہ بات واضح کرنا ضروری ہے کہ کوئی شخص اس بات کا دعویٰ نہیں کرسکتا کہ محض ضابطوں کی درستگی سے ہی اس مظہر کا خاتمہ ہوجائے گا۔ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ضابطوں کی درستگی سے بڑی حد تک اس میں کمی آجائے گی۔

اس امت کو تصحیح، اصلاح، جائزہ و نصیحت کی شدید ضرورت ہے۔ کیوں کہ وہ ایک انسانی کام ہے، جس میں خطا و صواب دونوں ہوتے ہیں۔

اندرونی و بیرونی خطرات

اگر اس بیداری کو باہر سے خطرہ ہے تو اندر سے بھی اسے خطرہ ہے اور داخلی خطرہ خارجی خطرے سے بھی زیادہ مہلک اور زیادہ خطرناک ہوا کرتا ہے۔

اگر بیرونی خطرہ مختلف قسم کے بیرونی دشمنوں کی جانب سے آتا ہے تو داخلی خطرہ خود اس امت کے اندر سے آتا ہے۔ یعنی غلط فہمی سے، کج فہمی سے، ذاتی و غیر مناسب رجحان سے یا جلد بازی سے، جو فطرت سے دور ہے یا غیر حقیقی آئڈیل ازم وغیرہ سے۔

منشور کی ضرورت

اور اسی لیے **سربلندی کے ایک منشور** کی تیاری کی ضرورت محسوس ہوئی، جو دعوت اسلامی کے میدان میں سرگرم لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے یا کم از کم ان کی بڑی تعداد کو اس سے واقف کرایا جائے۔ اس منشور میں تمام ضروریات کو محیط اساسی قواعد ہوں۔ ساتھ ہی اس میں سب کے لیے مشترکہ سنجیدہ و وسیع پہلو بیان کیے گئے ہوں۔ سب کا ایک مشترکہ احاطہ ہو، کیوں کہ یہ تو نہیں ہوسکتا کہ ہر چیز میں لوگ ایک دوسرے کے بالکل ہو بہو اور مشابہ ہوجائیں۔ اس کو ہم کہہ سکتے ہیں: ''وحدت کے ڈھانچے میں تنوع'' یا ''تنوع کا اختلاف نہ کہ ذات کا اختلاف۔''

اس وجہ سے اور امانت کے احساس سے اور نصیحت و خیر خواہی اور اصلاح و احیاء کے فریضے کی ادائیگی کے لیے ہمیں یہ مناسب محسوس ہوا کہ ہم ان بنیادی ضابطوں کو پیش کریں، جن کے بارے میں ہمارا خیال یہ ہے کہ ان کو سمجھنے والوں اور فائدہ اٹھانے والوں کے ذریعے ملت اسلامیہ پیش قدمی کرے گی اور مطلوبہ نتائج فراہم کرے گی۔ ان شاء اللہ

لہٰذا

امید ہے کہ یہ دستور ایک ایسی روشنی بنے گا، جس کی طرف داعیان دین رجوع ہوں گے، اس پر اعتماد کریں گے اور اپنی ذاتی پسند، سچے جذبے اور شرف و سچائی کے ساتھ اس سے رجوع کریں گے۔ اس وجہ سے میں نے اس کا نام میثاق الشرف الدعوی (**سربلندی کا دعوتی منشور**) رکھا ہے۔ کیوں کہ اس پر اکٹھا ہو جانا ہی آخر کار آزادانہ اعتماد، رضا کارانہ التزام، عظیم ارادہ، بھروسہ اور اس کے مشمولات سے اتفاق کا نتیجہ ہوگا۔

یہ بھی امید ہے کہ غیور و باصلاحیت داعی اس دستور کا سنجیدگی سے مطالعہ کریں گے۔ اس میں جو اچھے پہلو ہیں، انھیں اختیار کریں گے اور اس کی غلطیوں کی طرف متنبہ کریں گے اور اس کے لیے نئے ضوابط پیش کریں گے، تاکہ اس کا ہر ایڈیشن پہلے سے بہتر ہو۔

بار الٰہ ہمیں اپنی مرضیات کی توفیق دے۔ خیر کے کام میں لگا۔ ہمیں درستگی عمل کے ساتھ صحیح نیت بھی عطا کر۔ ساری حمد تیرے لیے ہے، یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے اور رضا کے بعد بھی ساری حمد تیرے لیے ہے۔

وصلی اللہ علی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم وعلی آلہ وصحبہ

ہشام الطالب

۱۴۳۰ھ ۲۰۰۹ء

منشور سے متعلق نقطۂ نظر

قابل ذکر یہ ہے کہ یہ ضابطے، جدوجہد، مشقت، غوروفکر، نظرثانی، مطالعہ اور دعوتی کام کے اندر خطاوصواب کے طویل و مسلسل جائزے کا حاصل ہیں۔ ان میں بعض وہ ہیں، جو ہم نے خود وضع کیے ہیں اور بعض وہ ہیں، جو لفظ و معنیٰ دونوں اعتبار سے دیگر سرچشموں سے اخذ کیے گئے ہیں۔

منشور کے مقاصد

اس منشور کا ہدف یہ ہے کہ ایسے قاعدوں کی نشان دہی کی جائے، جن کے بارے میں امید ہے کہ ان پر سب کا اتفاق ہو جائے اور سب انھیں قبول کر لیں۔

اگر ہم اس منشور کے اہداف انتہائی مختصر عبارت میں بیان کریں تو کہہ سکتے ہیں کہ وہ ''دعوتی عمل کے طریقۂ کار کی درستگی، فرزندان دعوت میں قربت اور دعوت کے نئے پہلوؤں کو سامنے لانا ہے۔''

اس منشور کے مخاطب کون ہیں؟

پھر اس دستور کے مخاطب یوں تو سبھی ہیں، مگر داعیان دین بہ درجہ اولی اور فطری طور پر اس کے زیادہ مخاطب ہیں، کیوں کہ وہ اس سے زیادہ مستفید ہو سکتے ہیں۔ اس کی اصلاح بھی کر سکتے ہیں اور اس میں اضافہ بھی۔

منشور کے پھل

ایسا ہو گیا تو اس سے بڑے فائدے حاصل ہوں گے۔ ان میں اہم ترین یہ ہوں گے:

- داعیوں کے مابین محبت واعتماد کی فضا عام ہوگی، دعوتی عمل میں عوامی اور سرکاری قربت پیدا ہوگی۔
- اختلاف وخطا کا فاصلہ کم اور اتحاد وصواب کی حدود دراز ہوں گی۔
- تعمیری تنقید کی روح بیدار ہوگی، فکر ونظر کے افق وسیع ہوں گے، تجدید وجدت کے نئے آفاق وا ہوں گے۔
- متفقہ چیزوں میں تعاون بڑھے گا، مختلف فیہ امور میں رواداری کا رجحان بڑھے گا اور تساہلی کے بجائے حرکت وزندگی پیدا ہوگی۔

بہترین آرزو

آرزو یہ ہے کہ یہ منشور درج ذیل امور کا آئینہ دار ہو:

- ایسا ''لائحہ عمل'' ثابت ہو، جو قرآن کریم وسنت مطہرہ سے ماخوذ ہو۔
- افراط وتفریط سے دور اور اعتدال ووسطیت کا ترجمان ہو۔
- اس پر کسی خاص تنظیم، کسی خاص جماعت، کسی محدود فرقے یا کسی دعوتی مکتب فکر یا کسی فقہی اجتہاد یا مقامی رنگ کی چھاپ نہ ہو۔ وہ نہ تو ان میں سے کسی کے نظریات کی تبلیغ کرے، نہ ان میں سے کسی کی کمی نکالے۔
- اسی طرح آرزو یہ بھی ہے کہ یہ دستور داعیوں کے لیے فکری، اخلاقی، تربیتی اور عملی لائحہ عمل ہو۔ ایک ایسا ''حلف الفضول'' ہو، جس پر وہ اعتماد کر سکیں، جسے حرز جان بنائیں۔
- یہ اپنی نوعیت کا ایک طرح کا اضافہ ہو اور اس طرح کے جو دوسرے اچھے اضافے ہوئے ہیں، ان میں اس کو بھی جگہ ملے۔

منشور کا میلان

آرزو یہ ہے کہ یہ منشور درج ذیل امور کی عکاسی کرتا ہو:

- اسلام جو دنیا و آخرت میں ہمارے لیے سعادت و فلاح کا راستہ ہے۔
- امت جس سے ہمارا تعلق ہے اور اس تعلق پر ہمیں فخر ہے۔
- وہ دعوتی عمل جو دنیا میں سب سے بہتر کام ہے اور جو انبیاء و مرسلین کا کام رہا ہے۔
- وطن جس کی آغوش میں دین، زبان، میراث، انسان، ماضی، حاضر اور مستقبل پلتے ہیں۔
- داعیوں کی آنے والی نسلیں، تاکہ وہ غلطی کم کریں اور درستگی کو زیادہ پائیں۔

منشور کے اوصاف

چنانچہ یہ دستور باریکی، موضوعیت، اصابت، غیر جانب داری، وضاحت، متوازن علمی اسلوب، ادب عالی کی روح اور پاکیزہ زبان کا حامل ہے، جس سے قاری کو محسوس ہو کہ اس دستور کے پیچھے حقیقت ہے، محض تمثیل نہیں۔ ایک روح ہے اور وہ بھی ایسی روح جو اچھی، وسیع النظر، وسیع المشرب اور دعوتی کام کی سچی خدمت کا جذبہ رکھنے والی ہے۔

پہلا محور

وہ اسلام جس کے ہم داعی ہیں

۱۔ مکمل توحید

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اے نبی ﷺ! کہو میرے رب نے بالیقین مجھے سیدھا راستا دکھا دیا ہے۔ بالکل ٹھیک دین، جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں۔ ابراہیم کا طریقہ، جسے یکسو ہو کر اُس نے اختیار کیا تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔ کہو! میری نماز، میرے تمام مراسمِ عبودیت، میرا جینا اور میرا مرنا، سب کچھ اللہ رب العالمین کے لیے ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور سب سے پہلے سرِ اطاعت جھکانے والا میں ہوں۔'' (الانعام: ۱۶۱-۱۶۳)

ہم اللہ تبارک وتعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس پر یقین رکھتے ہیں کہ وہ کائنات کا خالق و مالک ہے۔ وہی تنہا معبود برحق ہے۔ وہ جمال وجلال اور کمال کی تمام صفات سے متصف ہے۔ وہ ہر عیب ونقص سے پاک ہے۔ ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ اس کی توحید کے قائل ہیں۔ اس کی تعظیم کرتے، اسی سے ڈرتے، اسی سے امید کرتے اور اسی سے لو لگاتے ہیں۔

ہم تمام مسلمانوں کو عموماً اور داعیوں کو خصوصاً یہ دعوت دیتے ہیں کہ وہ عقیدے کے موضوع کو فہم، ایمان، شعور اور سلوک ہر اعتبار سے اور تمام چیزوں پر مطلق اولیت دیں۔ کیوں کہ عقیدہ توحید ہی دین کے تمام اصول وفروع کی پہلی اور سب سے بڑی بنیاد ہے۔ یہ بنیاد تمام مسائل کے ساتھ برابر چلتی ہے، بل کہ مسلمان کی زندگی کی ہر چیز میں ساتھ چلتی ہے۔

عقیدہ کسی کتاب کا وہ باب نہیں کہ اسے مسلمان پڑھے پھر لپیٹ کر رکھ دے اور دوسرے باب کی طرف منتقل ہو جائے۔ بل کہ وہ پہلا باب ہے، جسے مسلمان پڑھے گا اور پھر دوسرے فصول وابواب پڑھنے کے ساتھ ساتھ اسے بھی ہمیشہ اپنے ساتھ رکھے گا۔

عقیدہ ایک فکری، وجدانی اور عملی کیفیت ہے، جو مسلمان کے ساتھ ہمیشہ رہتی ہے اور زندگی کے آخر تک اس کی پوری زندگی کو منضبط کرتی ہے۔ چنانچہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان اس عقیدے کے

تمام پہلوؤں کی مکمل، گہری اور دقیق معرفت حاصل کرے۔ ان سب سے اہم یہ ہے کہ اللہ تعالی واحد و یکتا ہے اور وہی تنہا عبادت کے لائق ہے۔ اسی کے احکام پر عمل ہونا چاہیے۔ اسی طرح اس کا تقاضا یہ بھی ہے کہ مسلمان اس عقیدے کے نواقض کو بھی جان لے، جو آدمی کو کلی یا جزوی طور پر دین سے نکال دیتے ہیں۔ نہایت حیرت کی بات ہے کہ مسلمان بچے وضو کے نواقض کو جانتے ہیں، مگر عقیدے کے نواقض کو نہیں جانتے۔ اگرچہ دونوں ہی مطلوب ہیں، مگر دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

دوسری طرف ہمیں اس سے بھی بچنا ہے کہ توحید کا موضوع محض خشک، مشینی، ولفظی طور پر رٹنے والا ایک مسئلہ نہ بن جائے، جس کے کرنے والے صرف اپنے آپ کو ہی ہدایت پر سمجھیں اور ان میں غرور و تکبر پیدا ہو جائے۔ وہ دوسروں سے تکبر و غرور سے پیش آئیں۔ اپنے درست موقف پر اعتماد رکھنا پسندیدہ و مطلوب ہے، لیکن ساتھ ہی دوسروں کے تئیں اچھے جذبات بھی رکھنے چاہییں۔ اسی طرح داعیان دین ہر دل عزیز ہوتے ہیں، نفرت انگیز نہیں۔ مہربان ہوتے ہیں، سخت دل نہیں۔ اس طرح ان کی زندگی میں توحید عقل و سلوک میں سب سے بہترین صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے۔

کچھ علما نے توحید (لا الہ الا اللہ) کو بروئے کار لانے کی شرطوں کو سات جملوں میں یکجا کر دیا ہے۔ یہ ہیں: جہالت کے منافی علم، شک کے منافی یقین، شرک کے منافی اخلاص، نفاق کے منافی سچائی، رد کے منافی قبول، ترک کے منافی اطاعت اور محبت نہ ہونے کے منافی محبت کا ہونا۔

۲- دین توحید اور وحدت

اسلام دین توحید اور دین وحدت ہے اور امت مسلمہ اپنے رب کی توحید و تمجید کرتی ہے۔ زمین میں امت کی حرکت بھی وحدت کی مظہر ہے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ دعوتی کام فکر و شعور و عمل ہر ایک میں وحدت کی دعوت دیتا ہو اور فکر و شعور و عمل میں انتشار سے خبردار کرے۔ وحدت میں قوت، رحمت، برکت اور اثر انگیزی ہے، جیسا کہ اس کے ذریعے خدا کی مدد و نصرت حاصل ہوتی ہے اور تفرقہ اس کے برخلاف ہے۔

دعوتی عمل امت کے لیے وہ ثمرات پیش نہیں کر سکا، جو اس کی جدوجہد اور بڑی قربانیوں کے برابر ہوں۔ حالاں کہ دعوتی کام کا اس کے پاس زبردست ذخیرہ ہے اور اسی عمل سے امت کی امنگوں اور آرزوؤں کی تعبیر ہوتی ہے۔ دعوتی عمل کی اس ناکامی کے اسباب میں کئی چیزیں ہیں۔ سب سے اوّل یہ کہ اسلامی دعوت میں انتشار پایا جاتا ہے، جو کہ کراہیت وعداوت تک پہنچ جاتا ہے۔ مطلوبہ وحدت کے حصول یا اس سے قربت تک جو چیز پہنچاتی ہے، وہ اخلاص نیت، محبت کی فراوانی، عقیدے سے متعلق ان ذیلی امور اور ان فقہی فروع میں جدل وجدال کو چھوڑ دینا، جن میں متقدمین کا اختلاف تھا، مگر متأخرین نے ان میں نزاعیں برپا کیں۔ ان مسائل میں جو درست ہیں، انھیں اجر ملے گا اور جن سے غلطی ہوئی، وہ معذور ہوں گے۔

۳- بنیادی سرچشموں کی طرف رجوع

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''یہ لوگ جہاں کوئی اطمینان بخش یا خوفناک خبر سُن پاتے ہیں، اُسے لے کر پھیلا دیتے ہیں۔ حالاں کہ اگر یہ اُسے رسول اور اپنی جماعت کے ذمے دار اصحاب تک پہنچائیں تو وہ ایسے لوگوں کے علم میں آجائے، جو اِن کے درمیان اس بات کی صلاحیت رکھتے ہیں کہ اس سے صحیح نتیجہ اخذ کر سکیں۔ تم لوگوں پر اللہ کی مہربانی اور رحمت نہ ہوتی تو معدودے چند کے سوا تم سب شیطان کے پیچھے لگ گئے ہوتے۔'' (النساء:۸۳)

چوں کہ ہم تمام لوگوں کے لیے خیر چاہتے ہیں اور سارے انسانوں کو دین کی دعوت دینے کے مکلّف ہیں۔ اس لیے ہم سبھی کو اس کی دعوت دیتے ہیں کہ وہ اسے اس کے اصل سرچشموں سے کھلے دل اور منصفانہ عقل کے ساتھ واقف ہوں۔ ہمیں یقین ہے کہ انھیں اس میں گمراہی کے بعد ہدایت، باطل کے بعد حق اور خوف کے بعد امن، پریشانی کے بعد اطمینان اور مصیبت کے بعد عافیت ملے گی اور یہ بھی کہ وہ اس میں اپنی تمام مشکلات کا حل اور تمام سوالوں کا جواب پائیں گے۔

۴- اسلام اللہ کا دین ہے اور وہ ہمہ گیر دین ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔'' (آل عمران:۱۹) ''اور جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہے، اس کا وہ طریقہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ ناکام ونامراد رہے گا۔'' (آل عمران:۸۵)

ہمارا ایمان ہے کہ اسلام اللہ عزوجل کا دین ہے، جو برقرار، محفوظ، صحیح اور آخری دین ہے۔ وہ ہمارے نزدیک اہم مسئلہ، شناخت، حل، ماضی، حال و مستقبل سبھی کچھ ہے۔ وہی دنیا و آخرت میں سعادت کی راہ ہے۔ وہ صحیح زندگی ہے، جس کو اللہ نے ہمارے لیے چنا ہے۔ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اس پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ اس کے لیے جہاد کرتے ہیں اور اس پر ہر متاع عزیز قربان کرنا چاہتے ہیں۔

اسلام اللہ پاک کا انسانیت کے لیے آخری دین ہے۔ اسی لیے وہ ایسا جامع نہج ہے، جو زندگی کے تمام امور کو منظّم کرتا ہے۔ فرد، جماعت اور ریاست تینوں سطحوں پر۔ چنانچہ وہ مذہب، حکومت، قانون، عبادت، معیشت، اخلاق، صحت اور خاندانی، سماجی اور عالمی تعلقات وغیرہ سب چیزوں سے بحث کرتا ہے۔ وہ انسان کے ساتھ چلتا ہے۔ پیدائش، زندگی، موت اور حشر تک۔

اس لیے داعیوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ فروع وجزئیات میں ایسے غرق نہ ہوں کہ کلیات اور اصول مجروح ہو جائیں اور اگر ضرورت پڑے کہ اسی فرعی یا جزوی مسئلے کو لیا جائے تو ضروری ہے کہ اس سے تعرض مناسب زمان، مکان، حالات اور ضرورت کے لحاظ سے کیا جائے۔

۵- عبادت کی جامعیت کا مفہوم

پورے وجود انسانی کی غایت اُس اللہ تعالیٰ کی محبت ہے، جس نے فرمایا: اور میں نے جن وانس کو اپنی عبادت ہی کے لیے پیدا کیا ہے (الذاریات:۵۶)۔ عبادت کا یہ جامع مفہوم، جس سے انسان اللہ تعالیٰ کا زیادہ مطیع اور اس سے زیادہ تعلق رکھنے والا اور بندوں اور ملکوں کے لیے زیادہ فائدہ مند بنے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ اکثر لوگوں کے نزدیک یہ مفہوم عبادت کے شعائر میں منحصر ہو

کررہ گیا ہے اور انھی کو کل عبادت سمجھا جاتا ہے۔ قابل ذکر یہ ہے کہ اسلامی میراث میں جو ایک اصطلاحی تقسیم ہے: عقائد، عبادات اور معاملات میں وہ علمی تقسیم ہے، جس کا تقاضا تعلیم و تحقیق کے عوامل کرتے ہیں۔ اس سے زیادہ اس کی اور کوئی اہمیت نہیں۔ لیکن اس تقسیم سے بعض کو شبہ ہوتا ہے اور وہ فقط شعائر تعبدیہ ہی کو عین عبادت سمجھ لیتے ہیں۔ یہ ایک نہایت سنگین غلطی ہے، جو ایک طرف تو غلط فہمی کے پھیلنے پر منتج ہوتی ہے اور دوسری طرف دیگر چیزوں کے مقابلے میں شعائر میں عبادتی پہلو کے زیادہ ظاہر ہونے کا سبب بنتی ہے۔ اس وجہ سے ہم عبادت کے جامع مفہوم کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں کہ جس پر سلف صالح تھے اور جس میں تمام چیزیں، عقائد، سیاست، شعائر تعبدی، معاملات، زمین کی آبادی، دعوت و تبلیغ، حلال چیزوں سے فائدہ اٹھانا، تنوع، کام میں عمدگی اور تزکیہ و احسان وغیرہ عبادت میں شمار ہوتی ہیں۔

۶- اسلامی اخوت

اخوت اسلامی اسلام کے اصولوں میں سے ایک بنیادی اصول ہے۔ وہ دعوت اسلامی کے قاعدوں میں ایک رکن رکین ہے۔ اخوت پھیلے گی تو اللہ کی رضا آسمانوں میں اور اس کی نصرت زمین میں حاصل ہوگی اور اسلامی اخوت کا فقدان آسمانوں میں اللہ کی ناراضگی اور زمین پر اس کی نصرت سے محرومی کا سبب ہوتا ہے، اگر وحدت اسلامی نہ حاصل ہوئی تو اللہ کی مدد روٹھ جائے گی۔ داعیانِ دین کے لیے ضروری ہے کہ وہ نظریاتی و عملی سطح پر اسلامی اخوت کو اجاگر کریں اور اخوت کی مخالف ہر چیز سے متنبہ کریں۔ داعیان دین کے مابین بھائی چارہ اور میل ملاپ سے محبت کی گرمی، مدد اور نصرت حاصل ہوتی ہے اور یہ کامیابی کی نوید ہے۔ جب کہ اس کے برخلاف اخوت کے فقدان سے تنگ دلی، بے رخی، دل کی سختی، ترجیح ذات اور شیطنت پیدا ہوتی ہے اور یہ ہزیمت کی علامت ہے۔

۷- طاقت ور مومن

ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم طاقت ور مومن تیار کرنے کی کوشش کریں۔ کیوں کہ طاقت ور

مومن اللہ کے نزدیک کم زور مومن سے بہتر اور پسندیدہ ہے، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اور جس طرح قوت عقیدہ کی صحت، ایمان کی گہرائی اور سلوک کی استقامت اور شعور سے آتی ہے، اسی طرح یہ قوت وتوانائی جسمانی طاقت سے بھی حاصل ہوتی ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنے جسموں پر بھی پوری توجہ دیں اور ان کو کامل ومتوازن بنائیں اور یہ اسی وقت ہوگا، جب ہم جسم کو فائدہ دینے والی تمام چیزوں کو اختیار کریں۔ مثلاً غذاء، ورزش اور صفائی وستھرائی وغیرہ اور جسم کو نقصان پہنچانے والی ہر تکلیف دہ چیز سے پرہیز کریں، جیسے نشہ آور اشیاء، سگریٹ نوشی اور شراب وغیرہ۔ اس میں زبردست فائدے ہیں۔ ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ جسم دعوتی عمل کے بوجھ کو اٹھانے کے لیے پوری ہمت اور قدرت کے ساتھ تیار ہوں گے۔

۸- بناوٹی دین داری سے احتیاط

صحیح دین داری وہ ہے، جو بیدار عقل اور قلب سلیم کے ساتھ کی جائے۔ ایسا دین دار آدمی لوگوں میں نمایاں ہوتا ہے۔ لوگ اس کے نمونہ کی پیروی کرتے ہیں۔

ہم اس قسم کی دین داری کی تعریف وتوصیف کرتے ہوئے اس کے بالمقابل دوسری دین داری سے خبردار کرتے ہیں اور وہ ہے غلط قسم کا تدین، جس کا صدور بیمار دل اور مختل عقل سے ہوتا ہے۔ ایسا آدمی یا تو وہم وخرافات کے لیے یا شخصی فائدوں کے لیے یا ان دونوں ہی کے لیے کام کرتا ہے۔ ایسے آدمی کو لوگوں میں ناپسند کیا جاتا ہے۔

اس قسم کی دین داری لوگوں کو پہلے بھی اللہ کے دین سے دور کرنے کا سبب تھی اور اب بھی ہے۔ پھر یہ کہ اس کے نقصان دہ اثرات ان معاصی سے بھی زیادہ ہوتے ہیں، جن کا ارتکاب کرنے والے مذہبی لوگ نہیں مانے جاتے۔

اور جھوٹے تدین کی علامت یہ ہے کہ آدمی ظاہر پر بہت زیادہ دھیان دے گا، باطنی حقائق کی پروانہ کرے گا۔ نوافل کا اہتمام کرے گا فرائض کو بھول جائے گا۔ شخصی مصالح کے لیے مصالح عامہ کو قربان کردے گا۔

اس کی علامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ ایسے لوگ اپنی خواہشات وآرزوؤں اور کمزوریوں کو مذہبی لباس پہنا دیں اور جس مقام کے مستحق نہیں، اس کی خواہش کریں اور جن لوگوں نے قابلیت کے باعث اچھا مقام حاصل کیا ہے، ان کی کمیاں نکالیں۔

۹- طاعات ومعاصی

دلوں اور اسی طرح اعضا میں کبھی اطاعت اور کبھی معصیت کی کیفیت طاری ہوتی ہے، کبھی معاصی کی۔ قلوب کے اعمال، اعضا کے اعمال پر مقدم ہیں، کیوں کہ وہ دل سے تعلق رکھتے ہیں اور دل ہی انسان کا جوہر ہے اور وہی طاعت ومعصیت پر ابھارتا ہے۔

قلوب کی معصیتوں سے نجات حاصل کرنا اعضا وجوارح کی طاعتوں سے زیادہ مشکل ہے۔ اسی طرح دلوں کی طاعتوں کا حصول جوارح کی طاعتوں سے زیادہ مشکل ہے۔

مسلمان پر لازم ہے کہ وہ ان دونوں میں ہی معصیت سے بچے اور طاعت کا التزام کرے۔ اس سے جوہر اور شکل میں مطلوبہ توازن حاصل ہوگا، نیز نیت اور ظاہری شکل میں بھی نیت کی سچائی اور جسم کی حرکت میں توازن پیدا ہوگا۔

دوسرا محور

اسلامی مسائل

۱۰- اسلام میں خاندان

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو اُس آگ سے، جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔'' (التحریم:٦)

خاندان بنانے کے لیے عورت مرد کے مابین شادی ہی واحد قانونی وشرعی راستا ہے۔ یہی بچے کی تربیت کا پہلا گہوارہ ہے۔ امت کے وجود کی بڑی اساس ہے، بچوں اور نئی نسل کے لیے فطری وطبعی گہوارہ ہے۔ خاندان کو چلانے کی ذمے داری، باپ اور ماں دونوں پر یکساں ہے۔ اسی لیے ہم خاندان کی حفاظت، نگہداشت اور اس کی قدر و قیمت بڑھانے کی دعوت دیتے ہیں۔ ہم دعوت دیتے ہیں کہ کنبے کی کام یابی کے تمام اسباب مہیا کیے جائیں۔ اس کو مٹانے اور تباہ کرنے کی تمام نئی و پرانی کوششوں کے خلاف مضبوطی سے کھڑا ہوا جائے۔

۱۱- مسلمان عورت

مسلمان عورت دو طرفہ ظلم کا شکار ہو رہی ہے۔ پہلا سیکولر لوگوں کا غلو ہے، جو مسلم عورت کو فساد آلود اور دین سے دور اپنی فطرت، شرافت، اور خصوصیت سے خالی کر دینا چاہتے ہیں۔ دوسرا مذہبی لوگوں کا غلو وتشدد جو مسلمان عورت کو حنوط لگا کر جامد بنانا اور در بے میں بند کرنا چاہتے ہیں اور زندگی میں اس کو اس کا کردار ادا کرنے سے روکنا چاہتے ہیں۔ غلو کا شکار یہ لوگ بھی قابل ملامت ہیں، خواہ ان کی نیت درست ہو۔ ان میں زیادہ تر عورت کو حقارت وشک وشبہ کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ قوامیت کا تصور بھی ان کے یہاں غلط ہے۔ اس تصور کا سبب صرف یہ ہے کہ وہ مسلمان عورت کے حقوق کو جانتے نہیں۔ ان کے ذہنوں پر زمانوں سے چلی آ رہی عادات، رسوم ورواج اور روایات کا غلبہ ہے، جن کو تاریخ نے مذہبی لبادہ اوڑھا دیا ہے۔ حالاں کہ دین اس سے بری ہے۔

لہٰذا عام مسلمانوں اور خاص طور پر داعیوں کی یہ ذمے کاری ہے کہ وہ عورت پر اعتماد کریں، اس کے ساتھ انصاف سے کام لیں اور زندگی میں اسے اس کا صحیح مقام دیں، جس میں سرفہرست عورت کا دعوتی کردار ہے، جس میں بہت سے فائدے ہیں۔ ان میں سب سے بڑا عدل وانصاف کا حصول ہے۔ عدل اہم اسلامی تصور ہے۔ دعوتی کاموں میں عورت کی کوششوں سے فائدہ اٹھایا جائے۔ خاص کر ان میدانوں میں، جن میں وہ مرد پر تفوق رکھتی ہے۔ وہ سارے راستے بند کر دیے جائیں، جو عورت کو دھوکہ دیتے اور اسے آزادی نسواں کے بھرم میں ڈالتے ہیں۔ جس کے لیے ذریعہ ان زیادتیوں کو اپنا لیا جاتا ہے، جو اس کے ساتھ کی جاتی ہیں۔ بلاشبہ اسلام نے ہی عورت کو عدل وتوازن سے بھری آزادی دی ہے۔ اس کے حقوق کا تحفظ کیا ہے۔ اس کے شرف، خودداری، فطرت اور نسوانی خصوصیات کی حفاظت کی ہے۔ اسے آدھا معاشرہ، مرد کی رفیقہ اور آنے والی نسلوں کی کردار ساز قرار دیا ہے۔

۱۲- اسلام میں آزادی

داعیوں کا یہ فریضہ ہے کہ وہ آزادی کی طرف مائل تو ہوں، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ یہ آزادی مقامی قانون کی پابند ہو۔ جہاں تک بے لگام آزادی کا تعلق ہے تو یہ ایک بڑی حماقت ہے، بل کہ حماقتوں کا مجموعہ ہے۔ ہمارا دین آزادی کی قدر و قیمت میں اضافہ کرتا ہے، اسی لیے وہ دین میں زور زبردستی کو منع کرتا ہے۔ ہمیں ورثے میں ملی ہوئی قابل فخر جو باتیں ہیں، ان میں عمر ابن الخطاب جیسے عبقری خلیفۂ راشد کا یہ قول ہے: ''تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنا لیا، جب کہ ان کی ماؤں نے ان کو آزاد پیدا کیا تھا؟'' اور جب دعوتی عمل اور اس کے علاوہ کسی دوسرے کام کے سلسلے میں آزادی کے لیے یکساں گنجائش ہو تو دعوتی عمل کو سبقت حاصل ہونی چاہیے، کیوں کہ یہی سب سے پہلے حق کے ساتھ لوگوں کو خطاب کرتا ہے اور پھر شریعت کی ثقافت کے ورثے کی جو چیزیں دل ودماغ میں ہیں، ان کے ذریعے لوگوں کو متوجہ کرتا ہے۔ اس کے علاوہ جو لوگ ہیں، ان میں یہ خوبی نہیں پائی جاتی۔ وہ سب سے پہلے تو باطل کے ذریعے لوگوں کو خطاب کرتے ہیں اور پھر ان کے دل ودماغ میں شریعت کے ورثے میں جس چیز سے نفرت ہے، اس کے ذریعے خطاب کرتے ہیں۔

۱۳- اسلام میں انسان کے حقوق

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمھاری قومیں اور برادریاں بنا دیں، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے، جو تمھارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔'' (الحجرات:۱۳)

ہمارا ایمان ہے کہ اسلام ہی انسان کے تمام حقوق کا پہلا عالمی اعلامیہ ہے۔ کیوں کہ یہی وہ دین ہے، جو انسان کو اس کے تمام حقوق دیتا ہے۔ مثلاً عقیدے کی آزادی، انسانی عزوشرف، تعلیم، شادی، امن، روزگار، انصاف اور ملکیت وغیرہ کی تو بات ہی کیا ہے کہ ان سے متعلق ہدایات اس سلسلے میں بہ درجۂ اتم موجود ہیں۔ اس سلسلے میں اسلام کی اساس یہ ہے کہ وہ انسان کی قدر و قیمت کو بلند کرتا ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ انسان زمین پر اشرف المخلوقات ہے۔ زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے اور دنیا میں جو کچھ ہے اس کے لیے مسخر ہے۔

۱۴- اسلام میں انسانی بھائی چارہ

ہمارا ایمان ہے کہ پوری انسانیت ایک ہی کنبہ ہے۔ اخوت انسانی اس کو ایک بندھن میں باندھتی ہے۔ انسانیت کا خالق اللہ ہے۔ اس کے باپ آدم ہیں۔ اس کی ماں حوا ہیں۔ انسان مٹی سے پیدا ہوا ہے، مٹی میں ہی لوٹ کر جائے گا۔ ہم سبھی کو (مسلمان ہوں یا غیر مسلم) سب لوگوں کے مشترکہ خاندان کے لیے، جس میں امن وسلامتی کا قیام، آزادی کی اشاعت، عدل کا قیام، جرم کا مقابلہ، علم کی توسیع، بچوں کی تربیت، بوڑھوں کی خدمت، پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک، ماحول کا تحفظ اور عہد کی پابندی جیسی چیزیں شامل ہیں، کوشش کرنا چاہیے اور اس فکر کی صحت کی جو سب سے بڑی گواہی ہے، وہ خود حجۃ الوداع میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبے سے ظاہر ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اے لوگو! تمھارا رب ایک ہے اور تمھارا باپ ایک ہے۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا۔

تم میں اللہ کے نزدیک وہی سب سے زیادہ معزز ہے، جو اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی برتری حاصل نہیں ہے، سوائے تقویٰ کے۔ گواہ رہو کہ میں نے بات پہنچا دی۔ اے اللہ! تو بھی گواہ رہ۔'' (مسلم)

۱۵- وطن اور ملت دونوں سے وفاداری

داعیوں کے لیے مناسب ہے کہ وہ اپنے وطن، اس کے امن، کارناموں، اس کے ماحول اور نئی نسلوں کے مستقبل کے تحفظ کے لیے بے چین ہوں، کیوں کہ وطن اور قوم کے درمیان فطری تعلق اور دین وفکر کے درمیان تعلق تکامل وہم آہنگی کا ہے، یہ رشتہ تناقض وتضاد کا نہیں ہے۔

تیسرا محور

دعوت کے میدان میں کام کرنے والوں کے درمیان افراد اور اداروں کی سطح پر تعلقات

۱۶- دعوتی عمل کی یکجہتی

اسلامی تنظیموں کے مابین تعلق میں اصل یہ ہے کہ سب ایک دوسرے کی تکمیل کریں۔ یہ ممکن نہ ہو تو تعاون کریں، یہ بھی ممکن نہ ہو تو احترام اور بقائے باہم کو اختیار کیا جائے۔ اس کے بعد تو بس ہلاکت ہے۔

۱۷- تخصص کا احترام

ہمارے لیے مناسب ہے کہ شرعی امور اور شرعی مسائل میں اہل ذکر سے سوال کریں اور زندگی کے مسائل میں ماہرین سے رجوع کریں۔ یہ ممکن ہے کہ ''زید'' لوگوں کے درمیان ایک مشہور اور کامیاب داعی ہو، مگر فتویٰ کا اہل نہ ہو اور ہوسکتا ہے کہ وہ ایک بڑا عالم ہو، فتویٰ دینے پر قادر ہو، لیکن وہ انتظامی امور کی کسی چھوٹی یا بڑی چیز کی بھی صلاحیت نہ رکھتا ہو اور یہی مثال زندگی کے معاملات میں دی جاسکتی ہے۔

۱۸- داعی اور بہترین موقع

داعی کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ زمان ومکان اور مہم کے لحاظ سے بہترین موقع اختیار کرے، تاکہ اس کی کارکردگی زیادہ فائدہ مند ہو اور اس کی ذمے داری یہ ہے کہ وہ اس سلسلے میں اہل علم، اہل دانش اور بے باک لوگوں سے مشورہ کرے، تاکہ وہ جانے انجانے میں اپنے لیے کسی ایسے شخص کا انتخاب نہ کر لے، جو اس کی خواہش نفس کی طرف بلانے والا ہو۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد صحابہ کی خوبیاں شمار کرائیں۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قرآن کریم کے سلسلے میں چار لوگوں سے فائدہ اٹھاؤ، ابن ام عبد (عبداللہ ابن مسعود)، معاذ بن جبل، ابی بن کعب اور سالم مولیٰ ابی حذیفہ۔''

اور آپ نے خالد بن ولیدؓ کے سلسلے میں فرمایا: ''خالد بن ولیدؓ اللہ کے بہترین بندے ہیں۔ وہ اللہ کی تلوار ہیں'' (ترمذی) اور آپ نے فرمایا: ''میری امت میں سب سے زیادہ امت پر رحم کرنے والے ابوبکر ہیں اور اللہ کے معاملے میں لوگوں میں سب سے سخت عمر ہیں اور لوگوں میں حیا کے اعتبار سے سب سے زیادہ راست عثمان ہیں اور لوگوں میں حلال وحرام کو سب سے زیادہ جاننے والے معاذ بن جبل ہیں اور فرائض پر سب سے زیادہ عمل کرنے والے زید بن ثابت ہیں اور سب سے زیادہ پڑھنے والے ابی بن کعب ہیں اور ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کے امین ابوعبیدہ ابن الجراح ہیں۔'' (ترمذی)

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اگرچہ سارے لوگ بہترین ہیں، لیکن ان میں سے ہر ایک کو ایک پہلو سے برتری حاصل ہے، وہی اس وصف میں نمایاں ہیں اور اس پر زیادہ قادر ہیں۔

۱۹- مشترک راستہ

یہ ناممکن ہے کہ داعیان دین اہداف وسائل اور ترجیحات میں ایک ہی نمونہ بن جائیں۔ لہٰذا چھوٹا بڑا اختلاف تو ضرور ہوگا، لیکن اگر آدمی غور سے کام لے تو معلوم ہوگا کہ عقائد، عبادات، اخلاق ومعاملات وغیرہ میں بہت سے نکتے ہیں، جو ان کے درمیان مشترک ہیں۔ مگر محاذ آرائی، جس میں کینہ کپٹ، عناد اور خواہشات ہوتی ہیں، ان مشترکہ چیزوں کو ضائع کر دیتی ہیں۔ کیوں کہ جتنا اختلاف ہے، اس کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے، جس سے وہ بہت زیادہ معلوم ہوتا ہے اور جتنا اتفاق ہے، اسے گھٹا دیا جاتا ہے تو وہ بہت چھوٹا معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے اعتماد سے کہا جا سکتا ہے کہ داعیوں کے درمیان متفق علیہ راستا اور مشترکہ زمین موجود ہے۔ ضروری ہے کہ سب لوگ اس کو جانیں، اس سے خوش ہوں، اس کے ذریعے سے کام کریں اور خاموشی، صبر وتسلسل سے اسے بڑھاتے جائیں، تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اپنے سایے میں لے لے۔

۲۰- وحدت فکر

داعیان اسلام کے مابین اختلاف کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ان کے مابین وحدت فکر کی ادنی سی بھی حد نہیں ہے۔ یہ وہ معاملہ ہے کہ جس نے مقاصد، وسائل اور ترجیحات میں ان کے مابین اختلاف پیدا کیا اور یہ سلسلہ بدستور جارہا ہے۔نفرت اور کراہیت اور بغض وکینہ کا تو ذکر ہی کیا۔**اس لیے یہ ضروری ہے** کہ داعیوں کے مابین عموماً اور نوجوانوں کے مابین خاص کر اس مسئلے پر بہت زیادہ توجہ دی جائے۔

اس کے لیے کتاب وسنت پر مبنی شرعی ثقافت وتعلیم کی ضرورت ہے۔روح اعتدال، تعاون، رواداری، اخوت اور انصاف کی ضرورت ہے۔ترجیحات کی سمجھ بوجھ، گفتگو کے فن، ادب اختلاف اور اسلام کی جامعیت اور ہر زمان ومکان کے لائق ہونے کی صلاحیت کا ذکر تو اور زیادہ ضروری ہے۔

اس بارے میں زیادہ مفید یہ ہوگا کہ اس ہدف سے ہم آہنگ کتابوں کا انتخاب کیا جائے اور وہ داعیوں ونوجوانوں کے سامنے رکھی جائیں اور ان پر بار بار نظر ثانی کی جاتی رہے۔مکمل طور پر ویسے ہی جیسے تربیت وتعلیم کی وزارتوں میں اسکولی نصاب ہائے درس پر مسلسل نظر ثانی کی جاتی ہے۔

۲۱- مسلمانوں کی ایک جماعت

ہمارا ایمان یہ بھی ہے کہ ہر دعوتی جماعت، گروہ، تنظیم وتحریک مسلمانوں کی ایک جماعت ہے۔صرف وہی تنہا مسلمان جماعت نہیں، ان میں سے ہر ایک کی قدر وقیمت اس سے معلوم ہوگی کہ فکر میں وہ کتنی راست اور عملاً کتنی کام یاب ہے۔

۲۲- سرکاری اور عوامی

اسلامی سرکاری کام وہ ہے، جس کو اقتدار کے تحت سرکاری ادارے انجام دیتے ہیں۔عوامی عمل وہ ہے، جس کو غیر سرکاری عوامی ادارے انجام دیتے ہیں۔

اکثر اوقات دونوں کے درمیان عداوت، اتہام، بدگمانی اور ایک دوسرے پر شک پایا جاتا ہے۔ شروع ہی میں ہمیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ایسا نہیں ہے کہ

دونوں میں سے کوئی ایک مطلقاً غلط یا مطلقاً درست ہو۔ دونوں میں غلط و درست دونوں ہی چیزیں موجود ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ مختلف جگہوں میں صورت حال تبدیل بھی ہوتی ہے۔ مثلاً جو عوامی ہے، وہ سرکاری بن جائے اور سرکاری عوامی ہو جائے۔

مطلوب یہ ہے کہ دونوں ہی فریق حکمت کے ساتھ مخلصانہ اور مسلسل کوشش کریں۔ دونوں کے درمیان اعتماد، مفاہمت، تعاون اور رواداری کو رواج دیا جائے، کیوں کہ دعوت سب کی ذمے داری ہے۔ اگر ایسا ہو جائے تو بڑے فائدے حاصل ہوں گے، ورنہ دونوں فریق سرکاری اور عوامی ناقابل بیان پریشانیوں اور بحرانوں کا شکار ہوں گے۔

معاملہ آسان نہیں ہے، بل کہ مشکل ہے اور اس کی شدید اہمیت کے پیش نظر ہمیں بھی اس کے بارے میں سخت جدوجہد کی ضرورت ہے۔

۲۳- ادارہ جاتی عمل

ہم منظّم اجتماعی ادارہ جاتی کام پر یقین رکھتے ہیں، جن میں سب سے پہلے تو اسلامی اخلاق کا احترام ہو اور دوسرے اس کام کے لائحہ عمل اور نظام کی پوری پابندی ہو۔ کیوں کہ ہمیں یقین ہے کہ ادارہ جاتی کام آخر کار امت کے لیے زیادہ نفع بخش ہے اور انفرادی کام کے مقابلے میں زیادہ پائدار ہے اور اس میں بھلائی ہی بھلائی ہے۔ اسی طرح ہمیں یہ بھی یقین ہے کہ ادارہ جاتی کام نظر ثانی، تصحیح، اصلاح و تجدید پر زیادہ قادر اور زیادہ لائق ہے۔ پھر یہ کہ افراد تو چلے جانے والے ہیں، ادارہ جاتی کام ہی باقی رہنے والا ہے۔

۲۴-اجتماعی روح

ہم اس کے خواہش مند ہیں کہ کارکنان میں اجتماعی روح کی آبیاری کریں اور ان سب میں مشترکہ کام کی اساس کو گہرا کریں، جس کا ایک طریقہ اسلاف کا احترام اور نسلوں کے مابین روابط کی حوصلہ افزائی ہے۔ بایں طور کہ ہم بزرگوں کی حکمت اور نوجوانوں کے جوش اور مصلحت عامہ کو خصوصی مفاد پر ترجیح سے فائدہ اٹھائیں۔ مشکلات واختلافات کے پیدا ہونے سے پہلے ہی ان کو شرعی وتہذیبی طریقوں سے روکیں اور اگر واقع ہو جائیں تو بہترین طریقوں سے ان کو حل کریں اور کارکنان میں مالی اور تنظیمی طور پر مساوات کی روح اجاگر کریں۔

۲۵-شوریٰ

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''اپنے معاملات آپس کے مشورے سے چلاتے ہیں۔'' (الشوریٰ: ۳۸) ''اور دین کے کام میں ان کو بھی شریکِ مشورہ رکھو۔'' (آل عمران:۱۵۹)

ہم شوریٰ کی طرف بلاتے ہیں اور تفکیر وجدت کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں اور مخالف وموافق آراء کا یکساں احترام کرتے ہیں اور ہر انسان کو غور وفکر اور اظہار رائے کا پورا حق دیتے ہیں، بشرطیکہ سب سے آخر میں جو فیصلہ کیا جائے، اس پر عمل کریں، جب تک وہ شریعت کے عام اصول اور واضح ضوابط کے خلاف نہ ہو۔

اور اس غرض سے کہ یہ فیصلہ درست یا اقرب الی الصواب ہو۔ ضرورت ہے کہ فیصلہ صرف قابل اعتماد ذمے دار لے اور اس کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ اپنے سامنے تمام ضروری معلومات رکھے اور یہ پورا طریقہ امانت، معروضیت اور سچائی سے انجام دیا جائے۔

۲۶-پرامن طریقہ کار

داعیوں کے لیے مناسب ہے کہ وہ ایسا واضح، حکیمانہ وفیصلہ کن طریقۂ کار اپنائیں، جو دعوتی

اداروں میں کارکردگی، اعتماد، رضامندی، امن ومحبت اور یقین کی فضا پیدا کرے، جوخودغرضی، اجارہ داری اور تحکم کوختم کرے اور انتشار وفتنوں کو روکے۔ بے بسی وجمود کا خاتمہ کرے۔ تجدید وجدت کا موقع فراہم کرے۔ مختلف نسلوں میں رابطہ کا کام دے۔ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو قیادت کی تربیت دے سکے۔ اجتماعیت کی روح کو زندہ کرے اور ادارہ جاتی کام کے احترام کو یقینی بنائے۔

۲۷۔ مطلوبہ خصوصیت

ہماری یہ ذمے داری بھی ہے کہ داعیوں، علما اور مصلحین سابقین ومعاصرین سے ہم محبت کریں، ان کے لیے دعا کریں اور ان کا نمونہ اختیار کریں۔ لیکن ان کو مقدس سمجھنا جائز نہیں، نہ یہ جائز ہے کہ ہم ان کے تجربوں کی حرفاً حرفاً نقل کریں۔ ہم حالات حاضرہ اور زمان ومکان میں رعایت کے پہلو کو نہ بھولیں۔ چنانچہ جیسے انھوں نے اجتہاد کیا، ہم بھی کریں۔ جیسے انھوں نے حالات زمانہ کی رعایت کی، ویسے ہی ہم بھی کریں۔

۲۸۔ اعتراف، نہ کہ تقدیس

طبعی، فطری اور مطلوب ومفید بھی ہے کہ مسلمان اپنے دعوتی قائد، علمی شیخ اور امام مسجد وغیرہ سے محبت رکھے، مگر اس کی یہ محبت حد ہی میں رہنی چاہیے۔ سابقہ ادیان ومذاہب کے لوگ اس وقت گمراہ ہوئے، جب انھوں نے اپنے انبیاء وصلحاء کی تعظیم میں غلو کیا اور خدا کو چھوڑ کر ان کو ولایت دے دی، جس نے انھیں توحید کے بعد شرک تک پہنچا دیا۔ مسلمانوں کے درمیان پھیلی ہوئی بیماریوں میں سے، جن میں عام مسلمان بھی شامل ہیں اور دعوتی حلقے کے افراد بھی، یہ ہے کہ وہ اپنی معتمد علیہ شخصیات سے غلو پسندانہ تعلق رکھتے ہیں۔ انھوں نے انھی کو حق وباطل اور صواب وخطا کے مابین معیار بنالیا ہے۔ وہ انھیں معصوم عن الخطا سمجھ بیٹھتے ہیں۔ یہ قاعدہ بھول جاتے ہیں کہ ''ہم لوگوں کو حق کے ذریعے پہچانتے ہیں، نہ کہ حق کو لوگوں کے ذریعے۔''

یہ غلو پہلے بھی تھا اور اب بھی مسلمانوں میں اختلاف وعدم اتحاد کا سبب ہے۔ یہ دعوتی لوگوں میں بغض وعداوت کا سبب ہے۔

حل یہ ہے کہ مسلمان اپنے بزرگوں ورہبروں سے محبت میں اعتدال سے کام لیں۔ انھیں انسان ہی سمجھیں، جو صحیح بھی کر سکتے ہیں، غلط بھی۔ جتنا کام وہ کریں گے، اتنا ہی انھیں اعتراف ومحبت ملے گی۔ مسلمان طالب حق ہے۔ شخصیت اور فرد وسیلہ ہے، جو زائل ہوسکتا ہے۔ فکر ہی مقصد اصیل ہے، وہی باقی رہے گا۔

۲۹- دوسرے کو خوش آمدید کہنا

ہمارے تصورات ہماری ملکیت نہیں ہیں، بل کہ ہم ان کی ملکیت ہیں۔ اس لیے ہم ان تصورات کے لیے کام کرنے والے دوسرے لوگوں کی کوششوں سے تنگ دل نہ ہوں، خواہ ان کا اسلوب الگ اور ان کے اجتہادات الگ ہوں، بل کہ ضروری ہے کہ ہم اس سے خوش ہوں کہ ان کی کوششیں اور ہماری کوششیں دعوت کی خدمت کے کام آرہی ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم ان کو پسند کریں، ان کی کوششوں کی قدر کریں اور ان کے خیر خواہ بنیں اور جہاں تک ممکن ہو ہم ان کے ساتھ تعاون کریں۔ اسی طرح ہمارے اوپر یہ بھی فرض ہے کہ کسی فرد یا جماعت کی ہر کوشش سے، خواہ وہ کتنی ہی معمولی ہو، ہم فائدہ اٹھائیں، خواہ اس میں کوئی غلطی وکمی بھی ہو۔ نیک طینت مخالفین کے لیے ہم عذر تلاش کریں۔ شیخ محمد رشید رضاؒ (صاحب المنار) کے مشہور اصول پر عمل کرتے ہوئے ''متفق علیہ چیزوں میں ہم ایک دوسرے کا تعاون کریں اور مختلف فیہ چیزوں میں ہم میں سے ایک دوسرے کے لیے عذر کریں۔''

۳۰- ہم خوبی واچھائی کے اجارہ دار نہیں

ہم پوری وضاحت اور قطعیت وتاکید کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ صواب ودرستگی کے ہم ٹھیکے دار نہیں۔ ہم دوسروں کو بھی اس کی اجارہ داری کے وہم سے خبردار کرتے ہیں۔ ہمیں اپنے اہداف

ووسائل پر یقین کامل ہے، لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہی کامل ہوں۔ ہم خوش آمدید کہتے ہیں اور شکریہ ادا کرتے ہیں ان کا جو ہماری خطا وقصور کی طرف نشان دہی کریں، جیسا کہ اہداف و وسائل کے سلسلے میں ہم دوسروں کے اختیار کردہ طریقوں کا احترام کرتے ہیں۔

ہم سب سے مطلوب یہ ہے کہ ہماری نیتیں اللہ کے لیے خالص ہوں۔ ہم حق کو تلاش کریں۔ جدت کی جرأت ہمارے اندر ہو۔ غلطی ہوجائے تو پوری صراحت سے اس کا اعتراف کریں۔ جب دوسرے اچھا کام کریں تو ہمیں خوشی ہو۔

اسی کے لوازمات میں سے یہ ہے کہ ہم باہم تجربات کا تبادلہ کریں۔ کیوں کہ یہ ایسا معاملہ ہے کہ داعی اور تنظیم کی معلومات کو بڑھانے میں اس کی بڑی اہمیت ہے۔ کیوں کہ ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ کچھ لوگ خیر خواہی ورہ نمائی سے بالا ہوں یا اس کے اجارہ دار ہوں کہ وہ بس اچھا ہی کریں گے، جب کہ کچھ دوسرے بس غلطی ہی کریں گے۔

چوتھا محور

دعوتی عمل میں ارتقاء وصلاحیت سازی

۳۱-اہداف کا تعین

ہر دعوتی کام کے کچھ اہداف ہوتے ہیں، جن کے حصول کی کوشش داعی کرتا ہے۔ ان اہداف کی تعیین نہایت ضروری امر ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ کسی بھی دعوتی کام کو کرنے والے اپنے مقاصد کی جزرسی کے ساتھ تعیین کریں اور انھیں اس طرح تحریر کریں کہ ہر جملہ، بل کہ ہر لفظ اپنی باریکی، وضاحت، صحت اور اپنی ضرورت اور ان مقاصد کے حصول کی قدرت پر شمار میں آسکتا ہو۔ جو لوگ یا جو جماعت دشوار کن، مگر خوب صورت خیالوں اور زمینی حقائق کے درمیان خلط ملط کر دیتی ہے تو وہ کام یابی کم ناکامی زیادہ پاتی ہے، بل کہ بسا اوقات ہلاکت میں پڑ جاتی ہے۔ فرد کی غلطی تو ایک حادثہ ہوتی ہے، مگر جماعت کی غلطی ایک المیہ ہوتی ہے۔

دعوتی کام پر سب سے شدید تنقید یہ کی جاتی ہے کہ اس کے اکثر علم بردار جس مقصد کو نہیں چاہتے، اسے تو جانتے ہیں۔ لیکن بالضبط یہ نہیں جانتے کہ وہ چاہتے کیا ہیں؟ اور جب دعوتی عمل غلط اہداف مقرر کر لے یا اہداف صحیح ہوں، مگر ان کا حصول ممکن نہ ہو تو داعی اپنے آپ کو ہی اذیت دے گا کہ وہ سراب کے پیچھے دوڑ رہا ہے اور داعیوں کی حسن نیت و اخلاص ان کے لیے کافی نہیں ہوگی، کیوں کہ حسن نیت نصف مطلوب ہے، دوسرا نصف درستگی ہے۔

چنانچہ داعیوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ پوری وضاحت سے یہ جانیں کہ وہ کون ہیں؟ کیا چاہتے ہیں؟ اس کی روشنی میں انھیں اپنے اہداف اور پروگرام کا تعین کرنا ہوگا۔ اس وقت اپنے لیے بھی سچے اور امانت دار ہوں گے اور اپنے مدعوبین کے ساتھ بھی امانت و دیانت سے کام لینے والے ہوں گے۔ اگر وہ ایسا کر لیں تو بہت اچھا ہوگا، اگر نہ کریں گے تو یہ ایک بڑی مصیبت ہوگی۔

۳۲۔ مستقبل کی جانب

اللہ تعالیٰ کے حکم سے زمانہ مسلسل حرکت میں رہتا ہے، جن میں کوئی وقفہ نہیں۔ حال ماضی سے جنم لیتا ہے اور مستقبل کو ظہور بخشتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ دعوتی کام ماضی کے تجربوں سے مستفید ہو، حال سے ہم آہنگ ہو، مستقبل کے لیے تیاری کرے اور جتنی طاقت ہو، اس کے مطابق اسباب اختیار کرے۔ اس کے بعد ایمان وتوکل کے ساتھ اسباب کے مالک رب تعالیٰ پر معاملہ چھوڑ دے۔

چنانچہ مستقبل کو دیکھنا اور اس کی منصوبہ بندی کرنا، دعوتی کام کے لیے نہایت ضروری ہے۔ ایسا کرنا اچھائی کی علامت اور کامیابی کا سبب ہے۔ جو داعی اس کو کر لیتا ہے، وہ بڑا اچھا کرتا ہے اور جو نہیں کرتا، اس پر جمود اور گوشہ نشینی کا حکم لگ جائے گا۔ کچھ دنوں کے بعد کوئی اس کو نہ جانے گا۔ اس نے جو کچھ کیا کیا، اس کے بعد گردش ہائے زمانہ نے اس کو مٹا دیا۔

اسلام مستقبل کا دین ہے۔ چنانچہ بہت سے دینی معاملات میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہمیں ہمیشہ دعوت دی جاتی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے لو لگائیں، یوم حساب کے لیے تیار ہوں، جو کہ ہمارا اصل ٹھکانا ہے۔ ہم میں سے ہر شخص حضرت یوسف علیہ السلام کی کہانی جانتا ہوگا۔ جب انھوں نے مصر کو قحط کے تین سالوں کے لیے پہلے ہی بہتر منصوبہ بندی کر کے خشک سالی سے بچا لیا، اسی طرح ہمارے رسول محمد ﷺ نے مستقبل کی منصوبہ بندی پر توجہ دی ہے اور ہمہ جہت انداز میں منصوبہ سازی آپ ﷺ کیا کرتے تھے، جن میں باریک اور جزوی تفصیلات بھی ہوتیں تھیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حبشہ اور مدینہ کی ہجرت میں آپ نے تفصیلات طے کیں۔ اسی طرح یہودیوں سے معاہدے میں سرایا کی، جو ہمیں آپ ﷺ نے بھیجیں، جو جنگیں آپ نے لڑیں، جو رسائل آپ نے مختلف بادشاہوں اور امرا کو لکھے، ان سب میں اس پہلو کا خیال رکھا۔ آپ نے عالمی اور مقامی حالات سے باخبر رہنے کا اہتمام کیا، حتی کہ آپ نے مدینہ منورہ میں مسلمانوں کے اعداد وشمار جمع کیے اور اس کے علاوہ بہت سے امور سیرت نبویہ میں ہمیں ملتے ہیں۔

۳۳- بصیرت مندانہ تجدید

ہمارا ایمان ہے کہ مسلسل جاری رہنے والی تجدید کی اہمیت ہے۔ تاہم مسلم امور کا احترام کیا جائے ان کو نہ چھیڑا جائے۔ اسی کے ذریعے قدیم صالح اور جدید نافع کو جمع کرنے کے قاعدے پر عمل آوری ہو سکے گی اور زمانے سے ہم آہنگی اور اس کے مسائل کی معرفت حاصل ہوگی۔ اسی سے ہمیں وہ زندگی ملے گی، جو جمود، بے بسی اور اپنے خول میں سمٹ جانے سے روکے گی۔

اسلامی عمل کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ وہ اچھائیوں اور برائیوں، بے عملی اور کارکردگی، ممکن اور ناممکن اور مقامی اور عالمی تبدیلیوں کی روشنی میں اپنے اصولوں، اپنے پروگراموں، اپنے شعار اور اپنی قیادتوں پر مستقل نظر ثانی کرتا رہے، جس کے نتیجے میں وہ اپنی چیزوں کو آگے اور پیچھے کرے، تبدیلی کرے اور ان کو خارج کرے، ان میں اضافہ کرے اور کمی کرے اور ان میں سے کچھ چیزوں کو بلند کرے اور کچھ کو پست کرے۔ اسی طرح یہ بات بھی ضروری ہے کہ اپنی غلطیوں کا برسرعام اعلان کرے، تاکہ آنے والی نسلیں ان کو دوبارہ نہ کریں اور اپنی سرگرمیوں کے نئے افق کو تلاش کرے۔ اگر اس نے ایسا کیا تو یہ اس بات کا ثبوت ہوگا کہ وہ زندہ ہے اور دوام پر قادر ہے اور یہی اس کے لیے ایک اچھی بشارت ہوگی اور اگر اس نے ایسا نہیں کیا تو جمود کے دائرے میں داخل ہو جائے گا، پھر اُسے گھن لگ جائے گا اور یہ نہایت مہلک انجام کا پیش خیمہ ہوگا۔

۳۴- خود کفیل ہونا

ہماری دعوت یہ ہے کہ ہم خود کفیل ہوں، جہاں تک ممکن ہو اپنے ذاتی وسائل پر بھروسہ کریں۔ کیوں کہ چندے نہ دائمی وسیلہ ہیں، نہ ان کی بقا کی ضمانت دی جاسکتی ہے۔ اس سلسلے میں غالباً سب سے اہم ذریعہ حالات وامکانات کے بہ قدر وقف پر مبنی ادارے قائم کرنا ہے۔

۳۵- قابل عمل نمونہ

تمام دعوتی اداروں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے اصول، منصوبوں اور کارکنوں کے اخلاق

کے لحاظ سے اچھے، کام یاب اور حکیمانہ دعوتی عمل کا بہتر نمونہ بنیں، تاکہ دوسرے ان کو دیکھ کر انھیں پسند کریں اور ان کی تقلید و پیروی کی کوشش کریں۔

۳۶- رتبے کی طلب نہ ہو

دعوتی کام زندگی میں سب سے اچھا کام ہے، کیوں کہ وہ انبیاء و مرسلین کا کام ہے۔

اکثر اوقات مبلغ اور داعی کو لوگوں کا احترام اور محبت حاصل ہوتی ہے اور اسے ممتاز مقام حاصل ہو جاتا ہے اور یہ بات اہم ہے کہ وہ اللہ عزوجل کے لیے کام کرے، اس کا بنیادی مقصد رتبے اور مقام کے فائدوں کا حصول نہ ہو، بل کہ اپنی پوری جدوجہد کو صرف اور صرف اللہ رب العالمین کی رضا کے لیے کرے۔ اگر بغیر طلب اور فوائد کی خواہش کے اسے کوئی مقام مل جاتا ہے تو اس پر خدا کا شکر ادا کرے اور اس بات کا خواہش مند ہو کہ اس کے معیار پر پورا اترے اور لوگوں سے بھی محبت کرے، ان کے ساتھ نیکی کرے، تواضع اختیار کرے، ان کی خدمت کرنے کی کوشش کرے، لیکن ان سے کسی اجر کا طالب نہ ہو۔

داعی و مبلغ دعوت کو فریضہ سمجھے، مرتبہ نہیں۔ اسے ذمے داری سمجھے، نہ کہ زینت۔ اسے حصول مال کا ذریعہ نہیں، تاوان سمجھے۔ اسے عزت افزائی کے بجائے تکلیف سمجھے۔

اس سیاق میں قابل ذکر بات یہ ہے کہ پاک دامنی اور انکساری کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہوتا کہ منصب پر سرفراز ہونے سے بے رغبتی اختیار کی جائے، کیوں کہ یہ بات اس علیم و خبیر اللہ کے مقاصد سے متضاد ہے، جس نے انسان کو جاں نشیں بنایا اور اسے کائنات کی تعمیر کی ذمے داری دی۔ ہمارے لیے سیدنا یوسف علیہ السلام کی ذات میں نصیحت اور نمونے کا ایک پہلو ہے، جس وقت آپ ایک بلند مقام پر سرفراز ہوئے اور آپ نے اس کے ذریعے معاشرے کو اخلاقی قدروں پر مبنی ایسے نقطۂ نگاہ کی بنیاد پر فائدہ پہنچانا چاہا، جو انصاف اور راست بازی پر قائم معاشرتی نظام کی بقا میں معاون ہو۔

لہٰذا باصلاحیت شخص اپنی صلاحیتوں اور اپنی توانائیوں کو اپنے معاشرے، اپنی قوم اور تمام

انسانیت کے لیے بروئے کار لاسکتا ہے اور دراصل نیت ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی روشنی میں کام کی قبولیت کے سلسلے میں بنیادی حیثیت کی حامل ہے: ''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہوتا ہے اور ہر شخص کو وہی ملے گا، جس کی اس نے نیت کی تو جس نے اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہجرت کی تو اسے اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہجرت کرنے کا اجر ملے گا اور جس نے دنیا کو حاصل کرنے کے لیے یا کسی خاتون سے نکاح کرنے کے لیے ہجرت کی تو اس کی ہجرت اسی مقصد سے ہوگی۔'' (بخاری)

۳۷- مستحق کو مقدم کرنا

اسلامی عمل کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ چھان بین اور جانچ کے بعد اس عظیم مہم کے مستحق عناصر کے درمیان سے اپنی قیادتوں کا انتخاب کرے۔

قابل افسوس امر یہ ہے کہ کچھ فرق کے ساتھ بہت سارے اسلامی عمل کے گروہ اس کی پابندی نہیں کرتے تو وہ اس شخص کو مقدم کر دیتے ہیں، جو لفظی فصاحت والا ہوتا ہے یا اس شخص کو مقدم کر دیتے ہیں، جو سماجی لحاظ سے ممتاز ہوتا ہے یا کسی شخص کو علاقائی عصبیت کی وجہ سے مقدم کرتے ہوئے اسے قیادت تک پہنچا دیتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔

فیصلہ کن عظیم پیمانوں کے ذریعے استحقاق کی پہچان ہوتی ہے، جن میں سب سے بلند شریعت مطہرہ کا مقام ہے، جس کو امت میں قبول عام حاصل ہوتا ہے اور ان میں یہ عناصر شامل ہیں: (خیر کے لیے) سبقت، تقویٰ، علم اور صلاحیت۔ اِس یا اُس منصب کے لیے برتری کا نکتہ دراصل انسان کے رجحان پر منحصر ہوتا ہے۔

۳۸- پابندی، جس سے مفر نہیں

دعوتی عمل کے ہر گروہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے اصولوں، مناہج، منصوبوں، رویوں، عمومی طور پر اپنے وابستگان کے اخلاق اور خاص طور پر اپنے قائدین کے اخلاق کے ذریعے ایسا بہترین

نمونہ ہو، جو درستگی، اخلاص، سچائی اور سنجیدگی کا مظہر ہو، اس طور پر کہ وہ ایک ایسا کام یاب نمونہ ہو، جسے دوسرے دیکھیں تو اس کا احترام کریں، اس سے متاثر ہوں اور اس کی پیروی کریں۔ اگر یہ گروہ ان میں سے کسی معمولی چیز سے بھی محروم رہا تو وہ نقصان کا باعث ہوگا اور ایسی حالت میں باقی رکھنے کے مقابلے میں اسے ختم کر دینا ہی بہتر ہوگا۔

وہ دعوتی عمل جو اس دین کے اخلاق کا پوری طرح پابند نہیں ہوتا، جس کے لیے اس دین کا قیام عمل میں آیا ہے اور ان قوانین کا پابند نہیں ہوتا، جو اس کے کارواں پر گرفت رکھتے ہیں تو وہ پوری طرح بوجھ ہے، بل کہ وہ ایسے خطرناک بموں کا مجموعہ ہے، جو کسی بھی وقت پھٹ سکتے ہیں۔ پھر وہ ایک بڑے المیے اور عمومی رسوائی کا سبب بن سکتے ہیں۔

داعیوں کی ذمے داری ہے کہ وہ اس بات کو یاد رکھیں کہ بہترین نمونہ ہی اہمیت اور کام یابی کے لحاظ سے دعوتی عمل کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ داعیان اسلام نے اسلام کی دعوت کے لیے بہت سے وسائل اختیار کیے، جن میں سب سے مقدم اسوہ حسنہ ہے۔ اس لیے مطلوب یہ ہے کہ سب سے پہلے داعیان دین اپنی دعوت کا عملی نمونہ بنیں۔

۳۹- نرگسی مزاج رکھنے والے (خود پسند) اور جدائی کا لمحہ

یونانی کہانیوں میں یہ قصہ ملتا ہے کہ ایک خوب صورت نوجوان (جس کا نام نرکسوس تھا) نے صاف وشفاف پانی کے ایک تالاب کو دیکھا تو اس میں اسے اپنی صورت نظر آئی، اس سے وہ بہت متاثر ہوا اور لگاتار پانی میں دیکھتا رہا، یہاں تک کہ وہ مر گیا اور پانی میں نرگس کا پھول پیدا ہوا، اسی سے نرگسی کی اصطلاح عام ہوئی، جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان خود پسندی کے فتنے میں اتنا زیادہ مبتلا ہو جاتا ہے، جو اس کی ہلاکت کا سبب بنتا ہے۔ اسلامی عمل میں نرگسی مزاج رکھنے والے لوگ پائے جاتے ہیں۔ ضروری یہ ہے کہ ان لوگوں سے میدان کو صاف کیا جائے، خواہ ان کی کچھ مثبت خوبیاں اور قابل لحاظ توانائیاں بھی ہوں۔

یہ لوگ مجسم شر تو نہیں ہوتے، ان کے اندر کچھ قابل تعریف پہلو بھی پائے جاتے ہیں، لیکن یہ لوگ اس وقت تک اسلامی عمل کی خدمت کرتے ہیں، جب تک اس کے رجحانات ان کی خواہشات سے نہ ٹکرائیں اور ایسی صورت میں یہ لوگ اس سے جدائی اختیار کر لیتے ہیں، بل کہ بسا اوقات اس کے شدید دشمن ہو جاتے ہیں اور جدائی کا یہ لمحہ تو لامحالہ آتا ہی ہے، کیوں کہ یہ لوگ اپنی خواہشات کے غلام ہوتے ہیں اور اسی لیے یہ لوگ وقتی بم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وقتی بم کی طرح خطرناک ہوتے ہیں۔ اسلامی عمل میں ان کا داخلہ ایک مہلک غلطی ہے اور اس سے بھی بڑی ہلاکت انگیز غلطی اس شخص کی ہوگی، جو انھیں داخلے کی اجازت دے۔

۴۰- مثبت روح

ہم دعوت دیتے ہیں کہ مثبت اور تعمیری قدروں پر زور دیا جائے، نیک فال لی جائے، بشارت وسہولت کا انداز اپنایا جائے۔ منفی چیزوں، بدشگونی، تنفر کرنے اور مشکل بنانے سے پرہیز کیا جائے۔

۴۱- تاثیر و اہتمام کے دو دائرے

ایک مسلمان کی زندگی میں دو دائرے ہیں:

پہلا دائرہ: دائرہ تاثیر، اس سے مقصود وہ ہے، جو اس کی وسعت میں ہے، یعنی جس میں ایک مسلمان متحرک ہو کر اپنے اور دوسروں کے لیے نفع بخش ہو سکتا ہے، مثلاً اپنی صحت، روزی، رشتے داروں و احباب کی خدمت، آس پاس کے لوگوں کی رہ نمائی، اپنی صلاحیتوں میں اضافہ، اپنے کنبے کی دن و رات دیکھ بھال، اپنے کام اور ملک کے قوانین وغیرہ کو جاننا وغیرہ۔

دوسرا دائرہ: دائرہ اہتمام، اس سے مقصود ہے عالمی، قومی اور مقامی امور سے باخبر رہنا، جن میں وہ کم و بیش مؤثر نہیں ہو سکتا، مثلاً پٹرول کے بیرل کی قیمت کا بڑھنا، ماحولیات کی تبدیلی، آلودگی اور قحط وغیرہ۔

عقل مند مسلمان اس کا مکلّف ہے کہ اس کی توجہ پہلے دائرے میں مرکوز ہو، کیوں کہ اس میں ہی وہ مؤثر ہوسکتا ہے اور شرعاً بھی وہ اسی کا مکلّف ہے۔

دوسرے دائرے میں ضروری ہے کہ وہ تنگ حدود میں اس کے ساتھ معاملہ کرے، تاکہ زمانے میں جو کچھ ہو رہا ہے، اس سے باخبر رہے، دوسروں سے جڑا رہے۔

ہاں! اس میں زیادہ توسع برتنے سے وہ ممنوعہ کاموں میں پڑ سکتا ہے اور اپنی کوشش و اعصاب کو ان چیزوں میں لگا سکتا ہے، جس سے اسے غم ہو اور اس کو ٹھیک کرنے پر وہ قادر بھی نہ ہو۔ اس سے مستقل غم، مایوسی اور رنج ومحن میں مبتلا ہی ہوسکتا ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اپنے خول میں بند ہو کر رہ جائے اور وہ چیزیں نہ کر سکے، جن پر وہ قادر ہے اور طرح طرح کے عذر تراش کر اور تقدیر کو کوس کر رہ جائے۔ ایک حکیمانہ مقولہ ہے: کام یاب وہ ہیں، جو حل اور متبادل ڈھونڈنے میں ماہر ہیں اور ناکام وہ ہیں، جو عذر اور بہانے تراشنے میں ماہر ہیں۔

۴۲- انسانوں کی ذمے داری

اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت وحمایت کی ذمے داری لی ہے، مگر اپنی حکمت بالغہ کے تحت مسلمانوں کو دین کی نصرت وحفاظت کے فریضے کا مکلّف ٹھہرایا ہے، یعنی یہ دین جو اگرچہ صریحاً حق ہے، لیکن انسانوں کے سپرد کیا گیا ہے اور تقدیر اس کے ساتھ جاری ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ انبیاء علیہم السلام، ان کے حواریوں اور ساتھیوں نے اور جو ان کے طریقے پر چلتے ہیں، انھوں نے دین کی نصرت کے لیے بڑی عظیم قربانیاں دی ہیں۔ ہم بھی ان کی پیروی کرتے اور ان کے طریقے پر چلتے ہیں۔

۴۳- داعیان دین نتائج کے بھی ذمے دار

بہت سارے داعیوں میں یہ بات پھیلی ہوئی ہے کہ اگر ان کی دعوتی کوششیں ناکام ہوئیں تو وہ دعوتی کوششوں کے نتائج کے ذمے دار نہیں ہوں گے۔ اس معاملے میں بھی ایک اصول

کی ضرورت ہے۔ ورنہ اس کو علی الاطلاق صحیح سمجھ لینے میں بڑا خطرہ ہے۔ سب سے کم خطرہ تو یہ ہے کہ اس تصور سے جواب دہی اور محاسبہ کا احساس ختم ہو جائے گا، اچھا کرنے اور برا کرنے والوں میں فرق اجاگر نہیں ہوگا۔

داعیان اور مبلغین دین اگر اخلاص سے کام کریں، ہر کام ٹھیک سے کریں، حتی المقدور کوششیں کریں تو کام یابی کی صورت میں ان کا شکر گزار ہونا چاہیے اور ناکامی کی صورت میں وہ معذور سمجھے جائیں گے۔ اگر ان تینوں شرطوں میں سے کوئی بھی نہ پائی جائے یا اکثر نہ پائی جائیں تو وہ ناکام ہوں گے اور اپنی ناکامی کے خود ذمے دار ہوں گے۔

۴۴- محاسبے کی اہمیت

محاسبہ کا اصول ایک عین اسلامی ضابطہ ہے۔ یہ تہذیب کا ایک بلند طریقہ ہے، اس لیے ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم اس کے خواہاں ہوں اور باقاعدگی سے اس پر عمل کریں۔ اس کے لیے صراحت، وضاحت، ذاتی تنقید، مسلسل احتساب اور مسلسل اصلاح کی ضرورت ہے۔ اس طرح کہ ہم ایجابیات کو جان لیں، ان کی حفاظت کریں، ان میں اضافہ کریں، منفی چیزوں کو جان کر ان سے اجتناب کریں، تاکہ ان سے محفوظ رہیں، کیوں کہ انسانی کام میں خطا و صواب دونوں کا امکان ہے۔

پانچواں محور

دعوت کی سوجھ بوجھ

۴۵-اجتماعی اجتہاد کی سوجھ بوجھ

ہم اس پر یقین رکھتے ہیں اور بہ تاکید کہتے ہیں کہ اسلام ایسا دین ہے، جو ہر زمان ومکان کے لائق ہے، جو نئے نئے مسائل کو حل کرنے پر قادر ہے۔ ہم مسلمان علما وفقہاء کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ حل پیش کرنے کے لیے آگے آئیں۔

اور اس کے لیے اجتماعی اجتہاد کے اداروں کو خوش آمدید کہتے ہیں، جن میں مصر کا مجمع البحوث الاسلامیہ (اسلامی تحقیقی اکادمی)، رابطہ عالم اسلامی کی فقہ اکیڈمی، خرطوم (سوڈان) کی فقہ اکیڈمی، یورپین افتاء کونسل، شمالی امریکا کی اسلامی فقہ اکیڈمی وغیرہ ہیں۔ ہماری رائے میں ان اداروں کا وجود بہت اہم ہے۔ ہمیں امید ہے کہ یہ مبارک ادارے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں، کیوں کہ اس تعاون سے ہی فائدہ بڑھے گا۔ اسی طرح ہماری آرزو ہے کہ ان اداروں کے ٹیکنیکل شعبوں میں ماہرین اور تجربہ کاروں کو لایا جائے، کیوں کہ اس سے ان کی کارکردگی اور اہمیت میں اضافہ ہوگا۔

۴۶-اختلاف کی سوجھ بوجھ

اسلام وحدت واتحاد کی قدر وقیمت کو سربلند کرتا ہے۔ اس پر ابھارتا اور اختلاف وانتشار سے روکتا ہے۔ لیکن وہ اس انسانی تنوع کا قائل ہے، جس میں اختلاف کا پایا جانا ضروری ہے، کیوں کہ یہ اللہ کی سنت ہے۔

اختلاف کی دو قسمیں ہیں: فائدہ منداور نقصان دہ۔

فائدہ مند وہ اختلاف ہے، جو آراء میں ہوتا ہے، کیوں کہ وہ انسانی تجربے کو بڑھاتا اور انسانی مزاج کے ساتھ ہم آہنگ ہو جاتا ہے، جیسا کے حکمت الٰہی کا تقاضا ہوتا ہے۔ کیوں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ چاہا کہ انسانوں کی عقل وفہم میں فرق اور تفاوت ہو۔ ان کے سوچنے کے طریقے الگ ہوں، جیسا کہ مزاج، رنگ، قد وقامت اور شکل وصورت میں وہ مختلف ہیں۔

نقصان دہ اختلاف وہ ہے، جو قلوب کا اختلاف ہے۔ جس کی حرمت میں قرآن کی آیات اور احادیث نبویہ وارد ہیں۔ مثلاً فرمایا: ''سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔ اللہ کے اس احسان کو یاد رکھو، جو اس نے تم پر کیا ہے۔ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اُس نے تمھارے دل جوڑ دیے اور اس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے۔ تم آگ سے بھرے ہوئے ایک گڑھے کے کنارے کھڑے تھے، اللہ نے تم کو اس سے بچا لیا۔ اس طرح اللہ اپنی نشانیاں تمھارے سامنے روشن کرتا ہے، شاید کہ ان علامتوں سے تمھیں اپنی فلاح کا سیدھا راستا نظر آ جائے۔'' (آل عمران:۱۰۳)

مفید اختلاف، اختلاف تنوع ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے، جیسے آپ ایک ساتھ کئی ساری شمعیں جلا لیں۔ شمعیں تعداد میں جتنی زیادہ ہوں گی، اتنی ہی روشنی بڑھے گی۔ ایک شمع دوسری شمع کو بجھائے گی نہیں۔ نقصان دہ اختلاف وہ ہے، جسے ٹکراؤ والا اختلاف کہتے ہیں، جو تنازع اور جھگڑے پر منتج ہو اور سارے اختلاف کرنے والوں کو کم زور کرے اور وہ سب کے سب ناکام ہوں اور ان کی ہوا اُکھڑ جائے۔

تاہم یہ بات بھی پرزور انداز میں کہنی ضروری ہے کہ اسلام میں ایک رشتہ ایسا بھی ہے، جس کو مقفل رکھا جاتا ہے، جس میں کوئی اختلاف نہیں کیا جائے گا، کیوں کہ وہ ثوابت دین کا رشتہ ہے، جو امت کے تشخص، اس کی روح، پیغام، عقیدہ و عمل اور امت کی وحدت کو برقرار رکھتا ہے، یعنی عبادات، عقائد، اخلاق اور احکام قطعیہ۔ اس لیے ضروری ہے کہ اختلاف اور اس کے آداب کو سیکھا جائے۔ جب تک اختلاف حدود شرع میں رہے، ان چیزوں میں ہو، جن میں اختلاف کی اجازت ہے تو اس میں دوسروں کے حق اختلاف کو تسلیم کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ ایسا ہوگا تو مختلف مسائل پر مختلف نقطہ ہائے نظر سامنے آئیں گے اور حالات و ظروف، زمان و مکان کے ساتھ وسائل و ذرائع میں بھی تنوع و تبدیلی ہوتی رہے گی۔

۴۷- فقہی مسالک کی سوجھ بوجھ

فقہی مسالک عام طور پر اور ان میں سے چار جن کی اتباع کی جاتی ہے، خصوصاً ایک نفیس ورثہ اور فقہی سرمایہ ہیں، جنھیں علما نے تحریر کیا ہے اور صدیوں نے صیقل کر دیا ہے۔ وہ امت مسلمہ کے قابل فخر کارناموں میں سے ایک ہے۔

اور ہر مسلمان کو یہ حق ہے کہ ان میں کسی بھی مسلک کی پیروی کرے اور اسے یہ حق ہے کہ وہ جتنا ممکن ہو، اپنے مسلک کے دلائل کو جانے اور دوسروں کی پسند کا احترام کرے اور جب ضرورت ہو تو مسلمانوں میں ادب، معروضیت اور حق کی جستجو کے جذبے سے اور خوشی سے اس سلسلے میں گفتگو ہونی چاہیے۔ حق کسی بھی مسلک میں ہو، قبول کیا جانا چاہیے۔

ان تمام مسالک میں درستگی اور غلطی اور راجح مرجوح کا متفاوت حصہ ہے۔ یہ معاملہ ایسا ہے، جس کو ثقہ اور متبحر علما ہی طے کر سکتے ہیں، جو تقابل، تجزیہ اور اختیار و تجدید پر قدرت رکھتے ہوں۔

مسالک کے لیے اندھا تعصب سخت نقصان دہ ہے۔ لیکن مسالک کو ترک کر دینے، برا سمجھنے، ان سے لڑنے کی مسلمان عوام کو دعوت دینا اور ان سے یہ کہنا کہ براہ راست کتاب وسنت سے اخذ کریں اور بھی زیادہ نقصان دہ ہے۔ جہاں تک مسلکوں کے ختم کی دعوت ہے تو وہ عملاً غیر ممکن بات ہے۔ پھر یہ کہ جو لوگ اس کی کوشش کرتے ہیں، وہ اپنے پسندیدہ فقہی اجتہادات واحکام پر یکجا ہو جاتے ہیں یا ان احکام پر جنھیں ان کے مشائخ پسند کریں۔ اس طرح وہ بھی شعوری و بے شعوری طور پر ایک نئے فقہی مذہب کی داغ بیل ڈال رہے ہیں اور جس کے لیے دوسروں پر تنقید کرتے ہیں اس میں خود مبتلا ہو جاتے ہیں۔

۴۸- مقاصد کی سوجھ بوجھ

داعیوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ مقاصد کا اچھی طرح فہم حاصل کریں۔ اس میں گہرائی تک جائیں۔ ان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ظواہر نصوص کو پکڑ لیں۔ ان کے لفظ و معنیٰ پر ہی ٹھیر جائیں، ان کے مقصد و اسرار اور حکمتوں سے غفلت برتیں۔ اس کا مطلب یہ بالکل نہیں کہ ہم نصوص کی قیمت کم کر دیں اور پھر شریعت کے احکام سے فرار اختیار کریں، بل کہ یہ ہے کہ نصوص کی روح تک پہنچ جائیں، جو نصوص متفق علیہ اور جو مختلف فیہ ہیں، ان میں موازنہ کریں۔ جزئیات کو کلیات کی روشنی میں سمجھیں۔ شریعت کے مقاصد عامہ اور قواعد فقہیہ کی روشنی میں ان کا فہم حاصل کریں، جن کا کہنا یہ ہے کہ ''اعتبار مقاصد و معانی کا ہوگا، الفاظ و عبارتوں کا نہیں'' اور ایک قاعدہ یہ بتاتا ہے کہ ''معاملات کو ان کے مقاصد سے سمجھا جائے گا۔''

اور بلاشبہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس میدان کے جو ماہرین ہیں، ان کی باتیں غور سے سنی جائیں، تاکہ ہم مقاصد کی سوجھ بوجھ کے ساتھ ایک باشعور رویہ اختیار کریں، جو مخلوق کے سلسلے میں حق کے مقصد کو بروئے کار لانے پر قادر ہو۔

۴۹- ترجیحات کی سوجھ بوجھ

ہم ترجیحات کی سوجھ بوجھ پر پورا زور دیتے ہیں، اس کو اہمیت دیتے ہیں، اس کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں، کیوں کہ اسلام کے مسائل ایک ہی درجے کے نہیں ہیں۔ مثلاً ایمان وتوحید کا مسئلہ راستے سے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹانے سے بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ دعوتی کاموں کے مسائل بھی ایک ہی درجے کے نہیں ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم اس سب کو یاد رکھیں اور یہ بھی ضروری ہے کہ ان ترجیحات کی ترتیب پر تغیر حالات کے ساتھ نظر ثانی کرتے رہیں، کیوں کہ اسلام میں ترجیحات کی ترتیب ثابت ہے۔ مگر اسلامی کام میں زمان ومکان اور انسان کے لحاظ سے اس میں تغیر ہوتا رہتا ہے۔ ترجیحات کے مسئلے سے یہ بھی وابستہ ہے کہ مختلف قسم کے ہونے والے نقصانات کے مابین موازنہ کریں اور سب سے کم نقصان کو اختیار کریں اور حاصل ہونے والے منافع وفوائد میں موازنہ قائم کر کے جس میں سب سے زیادہ فائدہ ہو، اس کو اختیار کریں۔

۵۰- نتائج کا فہم

داعیوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ نتائج وانجام اور اپنے فیصلوں پر مرتب ہونے والے اثرات کا شعور بھی رکھیں، جس کے لیے یہ ضروری ہے کہ سنن الٰہیہ کی گہری معرفت اور عالمی، قومی اور مقامی احوال وظروف کا وسیع ادراک حاصل ہو۔ یہ بات اس لیے ضروری ہے کوئی بھی فیصلہ لینے سے پہلے وہ اس کے مآل وانجام پر کافی غور وفکر کر لیں اور اس کے اپنے اوپر اور اپنے اطراف پر مرتب ہونے والے اثرات کا ادراک کریں۔ اپنے تجربوں میں ان کا اعتماد یقین پر ہو، ظن وگمان پر نہ ہو۔ تامل پر ہو، جلد بازی پر نہ ہو۔ قدرت پر ہو، وہم پر نہ ہو۔

۵۱- صورت حال کا ادراک

داعیوں کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ حقیقی صورت حال سے واقف ہوں، جو حالات ہیں اور جو ان کے اسباب ہیں، ان سب کا تفصیلی ادراک ہو۔ اسی طرح حاصل شدہ امکانات اور امیدوں میں جو فاصلہ ہے، اس کی بھی صحیح سمجھ ہو۔ اسی سے ان کے نعرے، اہداف اور پروگرام بروئے کار لائے جاسکتے ہیں۔ اس کا تقاضا ہے کہ عقل وضمیر کو تیار کیا جائے۔ لوگوں کو واضح اور باریکی کے ساتھ منتخب کیے گئے امور کے گرد جمع کیا جائے۔ ضرورتوں کا لحاظ اور سنت تدریج کو اختیار کیا جائے۔

۵۲- وسطیت واعتدال کی سوجھ بوجھ

اسلام وسطیت واعتدال کا مذہب ہے۔ وہ افراط وتفریط دونوں سے پاک ہے۔

خدا تعالیٰ نے مومنوں کی مدح کرتے ہوئے فرمایا: اسی طرح ہم نے تمھیں ایک امت وسط بنایا ہے، تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو (البقرہ: ۱۴۳)، یعنی معتدل اور اچھی امت۔ کیوں کہ اشیاء میں سب سے اچھی وہ ہوتی ہیں، جو اوسط ہوں۔ غلو اور کمی دونوں ہی مذموم ہیں۔

تفریط اس لیے مذموم ہے کہ وہ فرد و جماعت کے مصالح کو ضائع کر دیتی ہے اور افراط اس لیے مذموم ہے کہ وہ فطرت انسانی کے خلاف ہے، اس لیے غلو ہمیشہ ہی تنگ دل ہوتا ہے۔ اس کے اندرون میں فنا وموت کے فاصلے ہوتے ہیں۔ یہیں سے اللہ تعالیٰ نے اسلام کو دین وسط اور معتدل بنایا ہے۔ کیوں کہ اس نے انسان کو تخلیق کر کے اس کا مکلّف بنایا ہے اور وہی اس کے مزاج، اس کی صلاحیتوں، اس کی قوت اور کم زوری کو بہتر طور پر جانتا ہے۔

مثال کے طور پر مسلمان نہ تو اس زہد کو اختیار کر سکتا ہے، جو اسے زمین کی تعمیر سے اور اس میں فرائض کی ادائیگی سے روک دے اور وہ دنیا میں ایک بوجھ بن کر رہ جائے۔ نہ ہی وہ دنیا پر اس بھوکے کی طرح پل پڑ سکتا ہے، جو ہمیشہ دنیا کے زیادہ سے زیادہ حصول میں لگا رہتا ہے، بل کہ مسلمان دنیا پر توازن واعتدال کے ساتھ متوجہ ہوتا ہے۔

اسلام کی وسطیت واعتدال زندگی کے تمام میدانوں میں ظاہر ہوتا ہے، جس کا حکم اس نے بیان کیا ہے، کیوں کہ وہ دین کامل اور آخری دین ہے۔

جس طرح یہ اعتدال وتوازن زمین کی تعمیر اور روزی کی طلب میں ہم پاتے ہیں، اسی طرح یہ اعتدال وتوازن عبادت، انفاق، معاملات ولباس میں اور فرد وجماعت کے تقاضوں میں حق، فرض، جسم وروح اور عقل ودل کے تقاضوں وغیرہ میں بغیر افراط وتفریط کے اس اعتدال وتوازن کا مظہر پاتے ہیں۔

۵۳- بھلائیوں اور برائیوں کی سوجھ بوجھ

اللہ عزوجل کی مشیت سے اسلامی عمل گزشتہ نصف صدی سے آگے بڑھ رہا ہے۔ اس نے پرامید حضرات کی زیادہ سے زیادہ توقعات سے بھی بڑھ کر کامیابی حاصل کی ہے۔ یہ ترقی خوشی کا باعث ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ عزوجل کا دین پھیلتا جارہا ہے اور غالب آتا جارہا ہے اور یہ بات اندیشے کا سبب بھی ہے، کیوں کہ اس کے فرزندوں میں بہت سے ایسے ہیں، جو شریعت کی جانچ اور پرکھ کے خاطر خواہ حصے سے بہرہ ور نہیں ہوئے اور اخلاقی تربیت اور سیاسی شعور سے آراستہ نہیں ہوئے، اسی وجہ سے چالاک دشمنوں کو احمقانہ کاموں میں ملوث ہونے اور ان تک رسائی کا موقع مل جاتا ہے۔ ایسا بہت ہوا ہے اور ہورہا ہے۔ اسی لیے ذہین داعیوں کی ذمے داری ہے کہ وہ ہدایت یافتہ بھیڑ کے جائزے، ان کی تربیت اور انھیں باشعور بنانے پر توجہ دیں۔ دعوت کے نئے نئے مواقع کے حصول پر ان کا یہ کام مقدم ہونا چاہیے، تاکہ اس عظیم اصول کو بروئے کار لایا جاسکے کہ ''برائیوں کو دور کرنا بھلائیوں کے اصول پر مقدم ہے۔''

۵۴- الٰہی سنتوں کی سوجھ بوجھ

خدا کی سنتیں دائمی اور غیر جانب دار ہیں۔ وہ نہ کسی فرد وجماعت یا مذہب کی طرف دار ہیں، نہ ان کی دشمن۔ ان کے سامنے سب برابر ہیں، جو ان کے ساتھ بہتر معاملہ کرے گا، وہ کامیاب ہوگا،

چاہے جو ہو اور جو ان کے ساتھ غلط رویہ اختیار کرے گا، وہ ناکام ہوگا، چاہے جو ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی کسی جماعت یا فرد کو محض اسلام کی بنا پر بغیر کسی سبب کے اپنی مدد نہیں دے گا، لہٰذا اسباب کو اختیار کرنا ضروری ہے۔

۵۵- تدریج کی سوجھ بوجھ

ہماری دعوت یہ بھی ہے کہ تدریج کے معانی کو راسخ کرنے کی دعوت دی جائے، نمو پذیری ہو، زیادتی نہ ہو۔ حکمت ہو، ہیجان نہ ہو۔ غور وفکر ہو، دوڑ نہ ہو۔ خاموش سنجیدہ عمل پیہم ہو، جلد بازی میں کوئی کام نہ ہو، جو رک جائے۔ حدیث میں آیا ہے کہ ''ان المنبت لا ارضا قطع ولا ظهرا ابقى'' (البزار والحاکم)۔ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ ''اللہ کو سب سے زیادہ پسندیدہ عمل وہ ہے، جو گرچہ تھوڑا ہو، مگر مسلسل ہو'' (البخاری)۔ تیسری حدیث میں ہے کہ: جو کوئی دین میں تشدد اختیار کرے گا، وہ خود مغلوب ہو کر رہ جائے گا'' (البخاری) یہاں ہمیں حکمت سے پُر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ ''زمانہ خود علاج کا ایک حصہ ہے۔''

۵۶- مرحلہ واریت کی سوجھ بوجھ

ہمارا یقین ہے کہ مرحلہ وار کام ہو۔ یعنی اہداف کو مختلف درجوں اور معیاروں میں تقسیم کر دیا جائے، جن سے ہدف عام کی خدمت ہو، یعنی پہلا ہدف دوسرے ہدف کی تمہید بنے، دوسرا پہلے کی بنیاد پر کھڑا ہو اور اسی طرح آگے بڑھا جائے۔

اور یہ کہ ہم ان اہداف کو اپنائیں، جنھیں پورا کر سکتے ہوں اور جو حالات کے مطابق ہوں۔ اسلامی عمل کو اس پہلو پر خاموشی اختیار کرنی چاہیے، جس پر اس کو قدرت نہ ہو، خواہ یہ پہلو درست ہو، بل کہ بسا اوقات اس کا کرنا ضروری ہی ہو، لیکن دونوں صورتوں میں یہ بات ہرگز درست نہیں ہو سکتی کہ اس بات کا اعلان کیا جائے کہ یہ مطلوب نہیں ہے۔

۵۷- انتخاب کی سوجھ بوجھ

اسلام کی دعوت سب پر واجب ہے، صرف علم شرعی کے طلبہ پر ہی نہیں۔ اگرچہ ان کی ذمے داری دوسروں کے مقابلے میں زیادہ بڑی ہے۔

تاہم ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام ویسے تو سبھی کو لے کر چلتا ہے، یعنی بزدل، بہادر، بخیل، سخی، غبی اور ذہین وغیرہ سب اس سے فیض یاب ہوتے ہیں، مگر دعوتی عمل کی اہمیت اور عظمت کے پیش نظر اسے ان بلند صلاحیت والوں کی ضرورت ہوتی ہے، جو مروت، کرم، شجاعت، صبر، عزیمت ومردانگی، انصاف وایثار جیسی بلند صفات سے متصف ہوں، اس لیے ضروری ہے کہ ان خصال والے لوگوں پر توجہ مرکوز کی جائے، ان کو حاصل کیا جائے اور آگے بڑھایا جائے، کیوں کہ یہی لوگ خوش حالی کی حالت اور شدت میں کام آنے والے ہیں۔ انھیں جیسے لوگوں پر تحریکیں قائم ہوتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ غلطی سے مبرا ہیں، کیوں کہ ہر انسان میں خامیاں ہوتی ہیں، لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ بالجملہ یہ لوگ اخلاق عالیہ والے ہیں کہ غلطی کریں تو اس کا اعتراف کر کے درستگی کی طرف لوٹ جائیں۔ یہ عام کو خاص پر، جوہر کو شکل پر اور حقیقت کو ظاہر پر ترجیح دیتے ہیں۔ اصول پر ڈٹ جاتے ہیں، خطرے چاہے جو ہوں، یہاں تک کہ اسی پر اللہ عزوجل سے جا ملیں۔

دعوتی کام میں جتنا زیادہ اعلیٰ صلاحیتوں والے ہوں گے اور جتنے کم صلاحیت والے کم ہوں گے تو اتنی ہی زیادہ وہ دعوت کام یاب ہوگی اور اگر اس کا الٹا معاملہ ہوگا تو نتیجہ بھی الٹا ہوگا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں دعوت کی کم زوری کے دنوں میں یہ دعا کی کہ اللہ تعالیٰ اسلام کو دو عمر میں سے کسی ایک کے ذریعے عزت بخش دے، اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو جانتے تھے کہ یہ دونوں بہترین جوہر ہیں۔ چنانچہ یہ دعا عبقری صحابی عمر بن خطابؓ کے ذریعے سرفراز ہوئی اور ان کے ذریعے اسلام کی خاطر خواہ نصرت ہوئی۔

اور اسی وجہ سے دعوتی عمل کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے فرزندوں میں بہ درجۂ اولیٰ اعلیٰ

جو ہروں پر توجہ مرکوز کریں، حالاں کہ دعوت سبھی کو دیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''لوگ سونے اور چاندی کی دھاتوں کی طرح ہیں، ان میں سے جاہلیت میں بہترین سوجھ بوجھ کے لوگ اسلام لانے کے بعد بھی بہترین ہوں گے۔'' (مسلم)

۵۸- فتنوں کے ساتھ رویے کی سوجھ بوجھ

مسلمانوں کو وقتاً فوقتاً فتنے، مشکلات اور شبہات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کبھی اللہ تعالیٰ کے خلاف ہرزہ سرائی، کبھی رسول اکرم ﷺ کی اہانت اور کبھی مسلمانوں کی کسی جماعت یا مسلمانوں کے مقدسات میں سے کسی پر زیادتی یا امت کے مسلمات میں سے کسی کے ساتھ استہزاء وغیرہ۔

ان چیزوں کے پس پشت مختلف اسباب کارفرما ہوتے ہیں، مثلاً مسلمانوں سے نفرت، ظلم، جہالت، شہرت کی ہوس، مخلصین کی کوشش کو اکارت کر دینا اور ان کو میدان حقیقی سے پھیرنا، جس میں ان کی کوششیں صرف ہونی چاہییں۔

دعوتی ذہن کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ان فتنوں کے ختم کرنے پر قادر ہو اور ان کے مصالح ونتائج اور محرکات کے پیش نظر ہی ان سے معاملہ کرے۔ بعض کا مقابلہ خاموشی سے، بعض کا ایسا جواب دے کر جو اس کو بلا نام لیے بے نقاب کر دے اور بعض کا سامنے آ کر اور نام لے کر کرے اور جب سامنے آ کر مقابلہ کرنا ہو، تب بھی دعوتی ذہن کو اس کا گہرائی سے حساب لگانا ہوگا کہ اس سے تجاوز نہ کرے، کیوں کہ تجاوز سے اس کی جدوجہد رائیگاں ہوسکتی ہے اور اسی میں پڑ جائے گا، جس میں دشمن اسے ڈالنا چاہتا ہے۔ اس طرح دشمن خوش ہوگا کہ داعی کو غافل کر دیا، تھکا دیا اور اس کی کوششیں ضائع کر دیں اور اب دشمن اس کے آگے نئے نئے فتنے اٹھائے گا، تاکہ اس کا کھیل یوں ہی جاری رہے۔

چھٹا محور

منہجی اصول

۵۹-اسلام اور اسلامی عمل

دین اسلام اور دعوتی عمل دونوں میں تفریق کرنے کی ضرورت ہے۔ کیوں کہ اسلام خدا کا وہ دین ہے، جو صحیح، باقی اور ہمیشہ رہنے والا ہے، جس میں باطل کا گزر آگے پیچھے، دائیں بائیں کہیں سے نہیں ہوسکتا۔ جب کہ دعوتی عمل بہرحال ایک انسانی کاوش ہے، جس میں غلطی وصحت کا امکان ہے۔

خدائے عزوجل کا دین مقدس ہے، لیکن اس کے لیے کیا جانے والا کام غیر مقدس ہے۔ اسلام کے تقدس کو گھسیٹ کر اسلامی کام پر نہیں چپکایا جائے گا کہ اسے عصمت دے دی جائے۔ اسی طرح اسلامی عمل کی غلطیوں کو اسلام کے سر نہیں منڈھا جاسکتا کہ اس سے اسلام میں کوئی نقص نکالا جائے۔

۶۰-بہترین طریقۂ کار

دعوت کا بہترین طریقۂ کار یہ ہے کہ شروع میں اسلام کے حقائق ومناہج کا تعارف درستگی، جامعیت اور وضاحت سے کرایا جائے۔ اس سے مخاطب کی عقل ووجدان میں ان حقائق کو زیادہ پختہ کیا جاسکتا ہے اور زیادہ امید کی جاسکتی ہے کہ وہ ان کو قبول کرے گا۔ اس لیے مناسب ہے کہ اسلام کے حقائق پر شبہات اٹھا کر ان پر جواب دینے سے گریز کیا جائے یا مختلف فرقوں وجماعتوں کے افکار واجتہادات سے بحث کی جائے، جواب ختم ہوچکے اور اگر اس کی ضرورت ہی پڑے تو بس کم از کم حد تک ہی ان سے تعرض کیا جائے، جس سے اصل منہج دعوت میں کوئی خلل پیدا نہ ہو۔

۶۱-دعوت عام

عام دعوت کے میدان میں ضروری ہے کہ مسلمہ حقائق کو پیش کیا جائے۔ فقہاء کے اختلافات کو ایک طرف لپیٹ کر رکھ دیا جائے۔ شاذ روایات اور بعید تاویلات کا تو ذکر ہی کیا۔ اسی طرح بہت سے فروع امور نیز محتمل وغیر محتمل فرضی چیزوں کا حال بھی یہی ہے۔ ان امور کے لیے ان کی جگہیں ہیں

اوران سے متعلقہ لوگ ضرورت کے مطابق اور باریک قواعد وضوابط کے ذریعے ان میں گفتگو کر رہے ہیں۔عوام الناس اورنئی نسل کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسے کاموں میں لگیں، جو عملی بھی ہوں اوران سے فائدہ بھی ہو۔

۶۲-قرآنی اصول ہی مرجع ہیں

قرآنی اصول ہی اسلامی معاشرے کے لیے بلندترین اورتنہا مرجع ہیں اوراسی لیے ضروری ہے کہ یہ ان بنیادی قدروں میں ہوں، جن سے کسی بھی طرح کی معمولی یا غیر معمولی چھیڑ چھاڑ نہیں کی جاسکتی۔اسی کے ساتھ مسلم معاشرے کواس بات کی اجازت ہے کہ وہ غیر مسلموں کی نفع بخش چیز کواخذ کرے، بشرطیکہ قابل اعتماد صالح علما نے اس کی اجازت دی ہو۔اس کے لیے ضروری ہے کہ شرعی رجحانات کومقدم رکھا جائے (کیونکہ یہی اصل ہیں) تنظیمی ہدایات پر (کیونکہ یہ فرع ہیں)اوراس لیے بھی کہ تنظیمی ہدایات ذریعہ ہیں اوروسیلہ ہیں اورشرعی ہدایات مقصد ہیں اور ہدف ہیں۔

۶۳-جہاں لوگوں نے چھوڑا وہاں سے آغاز

ہم دعوت دیتے ہیں کہ پچھلوں کے تجربات پر تعمیر کریں۔ چنانچہ تنظیم، مرکز، یا مدرسہ یا داعی کسی خلا سے آغاز نہ کرے، کیونکہ وہ پہلا شخص نہیں ہے، جو دین کی خدمت میں لگا ہے، نہ ہی وہ آخری ہوسکتا ہے۔

۶۴-واضح تحریریں

مناسب یہ ہے کہ ہماری دعوتی تحریریں واضح ،منضبط اورشمار میں آنے والی ہوں،ان کا مفہوم واضح ہو۔وہ ازدل خیزد بردل ریزد کی مثال ہوں،جس سے مصنف اور قاری دونوں کے درمیان ایک رابطہ ہوجائے۔اس میں دو اہم فائدے ہیں۔ پہلا فائدہ یہ ہے کہ دعوت کے فرزندوں کے نزدیک فکری تصورات اورعملی سلوک ایک ہوجائیں گے اور دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ علم برداران دعوت کے مابین

فکری غلطیوں اور بے راہ روی اور الجھاؤ کا خاتمہ ہو جائے گا، خاص کر نوخیز نسل کے درمیان اور تعبیر کی ان غلطیوں سے بچا جا سکے گا، جو مبہم، غیر واضح اور سطحی کلام سے پیش آتی ہیں اور جو متضاد اجتہاد، افراط وتفریط، فتنوں اور داخلی انتشار کو جنم دیتی ہیں۔

۶۵- درست اصطلاحات

مناسب ہے کہ ہم اس بات کے خواہش مند ہوں کہ ہماری اپنی خاص اصطلاحیں ہوں اور اس بات کے بھی خواہاں ہوں کہ یہ اصطلاحات حتی الامکان قرآنی ہوں اور درست ہوں، واضح ہوں اور پوری طرح آزاد ہوں۔ ہمیں ان کو بڑی توجہ وحکمت سے اختیار کرنا چاہیے اور مختلف وقتوں میں جو فکری لہریں اٹھتی رہتی ہیں اور دنیا پر چھا جاتی ہیں، ہمیں ان کے پیچھے بھاگنے سے بچنا ہے۔ چنانچہ اشتراکیت غالب ہو جائے تو ہمیں یہ نہیں کہنا کہ اسلام اشتراکی ہے۔ اسی طرح دنیا پر سرمایہ داری کا سکہ چل رہا ہے تو ہم یہ نہ کہنے لگیں کہ اسلام بھی سرمایہ داری کا قائل ہے۔ جمہوریت کا رواج ہو تو ہمیں یہ نہیں کہنا کہ اسلام بھی جمہوری ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

اسلام تو اسلام ہے۔ اس کے اپنے معیارات، مسلمات، اساسیات اور اثرات ہیں اور اس کے بعض اصولوں کا دوسرے نظریات سے میل کھانا اس بات کو جائز نہیں ٹھہراتا کہ ہم اسلام کو بھی اس نظریے سے تعبیر کر دیں۔ کیوں کہ اسلام اصل ہے، اس کے سوا جو کچھ ہے، وہ فرع ہے۔ اسلام ثابت ہے، اس کے علاوہ جو کچھ ہے، وہ بدل جانے والا ہے۔ وہ حق خالص ہے، اس کے سوا جو بھی نظریات ہیں، ان میں حق وباطل کی آمیزش ہوتی ہے۔

اور یہ بات ہمیں اس امر کی دعوت دیتی ہے کہ ان اصطلاحات کے سلسلے میں ہم محتاط رہیں، جو ہمارے درمیان وقفے وقفے سے رائج کی جاتی ہیں۔ ان کا ظاہری پہلو تو اچھا ہوتا ہے، لیکن درحقیقت ان میں گمراہی پوشیدہ ہوتی ہے۔ کچھ داعی ناواقفیت کی وجہ سے یا دوسروں کے رجحانات کے باعث اس سے دھوکہ کھا جاتے ہیں۔

۶۶- خطرات کے شعور کو پروان چڑھائیں

جب سے امت مسلمہ وجود پذیر ہوئی ہے، وہ مسلسل خطرات سے دوچار ہے۔ وہ چوں کہ ایک پیغام اور ایک دعوت رکھتی ہے، اس لیے دشمنوں کے حملوں کا نشانہ بنی رہتی ہے۔ کیوں کہ لوگوں کی بڑی تعداد حق کی دشمن ہے، اس لیے یہ بھی ضروری ہے کہ امت کو پیش آمدہ خطرات ومصائب سے آگاہ کیا جائے۔ یہ وہ چیز ہے، جس سے مسلمانوں میں باہمی قربت بڑھے گی، اختلاف کم ہوگا۔ پھر یہ کہ ان خطروں کا نشانہ سبھی لوگ ہیں اور یہ جتنا خطروں اور چیلنجوں سے بے خبر رہیں گے، اتنا ہی وہ ان کا زیادہ شکار ہوں گے۔ پھر یہ کہ خطروں کی دو قسمیں ہیں: خارجی خطرے، جو دوسروں سے پیش آتے ہیں اور داخلی خطرے، جو اپنے اندرون سے پیدا ہوتے ہیں۔ تاریخ کا سبق یہ ہے کہ داخلی خطرے اور فتنے زیادہ خطرناک اور مہلک ہوا کرتے ہیں۔

۶۷- اخلاص بھی درستگی بھی

اسلام میں اخلاص کا بڑا مقام ہے، کیوں کہ وہ عمل کی روح اور قبولیت کی شرط ہے، جس میں اخلاص نہ ہو وہ لامحالہ ضائع ہوگا، مگر تنہا اخلاص ہی کافی نہیں۔ یہ ممکن ہے کہ عمل میں اخلاص ہو، لیکن وہ عمل درست نہ ہو۔

اس لیے ضروری ہے کہ دعوت میں اخلاص اور درستگی دونوں ہی ہوں، کیوں کہ یہ دونوں ہی مل کر کامیابی کا راستا کھولتے ہیں۔

لہٰذا داعیوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ درستگی وصواب کی قیمت کو سمجھیں، اس پر لوگوں کو ابھاریں اور غور وفکر کی دعوت اسی قدر دیں، جیسے وہ اخلاص کی دیتے ہیں۔ اس کے دو سبب اہم ہیں: پہلا یہ کہ درستگی کی بڑی قیمت ہے اور وہ کامیابی کا دوسرا نام ہے۔ اس کی شرط اور اس کا حصہ ہے۔ دوسرا یہ کہ اسلامی عمل کے کارکنان میں اچھائی اور حسن نیت غالب ہوتی ہے، اس لیے ایسا ہوا ہے اور آئندہ بھی

ہوسکتا ہے کہ ان کو دوسرے استعمال کرلیں۔ ان کی صفوں میں گھس جائیں، ان کو دھوکہ دیں اور ان کو غلط کام میں پھنسادیں۔

اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا رہا ہے کہ افضل میدان کی موجودگی کے باوجود وہ غیر افضل میدان میں محنت کرتے رہے اور کبھی کبھی وہ ایسے کام کرتے رہے، جن کی ضرورت نہیں تھی اور بسا اوقات وہ غلط محاذ پر جدوجہد کرتے رہے اور قربانیاں دیتے رہے۔ وہ اس انقلاب کا ایندھن بن گئے، جس کا پہلا نشانہ بھی وہی خود تھے اور انقلاب سے جو صورت حال پیدا ہوئی، وہ پہلے سے کہیں زیادہ خراب تھی۔

۶۸- جوش بھی ہوش بھی

جوش وخروش ایک خیر و برکت کی چیز ہے۔ کیوں کہ اس سے عزم، فعالیت، اقدام، خرچ، مقابلہ، ایثار اور ایجاد کی روح بیدار ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اور دوسری صفات بھی، جو دعوتی عمل کو آگے بڑھانے میں مدد دیں۔ جتنی یہ روح موجود ہوگی، اتنا ہی کام آگے بڑھے گا۔ جتنی یہ روح کم زور ہوگی، دعوتی عمل کم زور ہوگا۔ یہیں سے داعیوں کو جوش کے شعلے بھڑکانے کی عادت ہو جاتی ہے۔ وہ کچھ غلط نہیں کرتے، لیکن دو اہم چیزوں کی رعایت بہت ضروری ہے:

ایک یہ کہ جوش کی خوراک حساب سے اور باریک بینی سے دی جائے۔ بالکل ویسے ہی، جیسے ڈاکٹر مریض کو دوا دیتا ہے اور اسے مناسب خوراک دیتا ہے، جس میں نہ کمی ہوتی ہے، نہ زیادتی۔ وجہ یہ ہے کہ اگر ان کو جوش کی خوراک زیادہ دے دی گئی، خاص کر نوجوانوں کو تو ان میں ضرورت سے زیادہ جوش اور انفعالی کیفیت پیدا ہو جائے گی، جو اپنا اظہار غلط انداز میں بھی کرسکتی ہے۔

دوسری چیز یہ ہے کہ صاحب حکمت داعی پر یہ لازم ہے کہ وہ جوش کے ساتھ ہی نوجوانوں کے لیے ایسے فائدہ مند مصرف بھی فراہم کرے، جن میں وہ اپنے جوش کو انڈیل سکیں اور ان کو یہ احساس ہو کہ وہ فائدہ پہنچا رہے ہیں کہ جس پر قادر تھے، وہ کر دیا۔ اس طرح وہ ضمیر کی ملامت سے بچ جائیں گے،

جو نہ کرنے کی صورت میں ان پر غالب ہو جائے گی، جس سے وہ خوش ہوں گے اور پرسکون ہو جائیں گے۔ اسی طرح لوگ ان کے کاموں سے فائدہ اٹھائیں گے اور خوش بخت ہوں گے۔

۶۹- اقدامی شجاعت

شجاعت ایک عظیم صفت ہے اور داعیوں کو اس سے متصف ہونا ضروری ہے، کیوں کہ دعوتی کام میں یہ بہت کام آتی ہے۔ جس دعوتی کام میں شجاعت پائی جائے گی، وہ اس میں کامیابی کا سبب ہوگی اور جو دعوتی عمل اس سے خالی ہوگا تو وہ ناکام ہوگا۔ لیکن ضروری ہے کہ یہ شجاعت غور وفکر اور صورت حال کے گہرے جائزے پر مبنی ہو، تاکہ بیک وقت اقدامی بھی ہو اور دانش مندانہ بھی ہو، ورنہ یہ شجاعت تو ہوگی، مگر بے معنیٰ ہوگی۔

۷۰- باز رہنے کی شجاعت

اقدام فرض ہے اور اسی طرح اقدام سے باز رہنا بھی فرض ہے اور ان دونوں میں فیصلے کا حق صرف قابل اعتماد مرجع کو ہی ہوتا ہے اور یہ ایسی شجاعت ہے جو دونوں حالتوں میں قابل تعریف ہوتی ہے، لیکن باز رہنے کی شجاعت اقدامی شجاعت کے مقابلے میں زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔ اس لیے کہ اقدام کرنے والے کے لیے لوگ تالی بجاتے ہیں، اس کی تعظیم کرتے ہیں، جب کہ اس کے برعکس باز رہنے والے پر لوگ ناطقہ تنگ کر دیتے ہیں۔ بسا اوقات اُسے بُرے الفاظ سے یاد کرتے ہیں اور اس پر الزام لگاتے ہیں، جب کہ اس کی دوررس نگاہ ان لوگوں کی شجاعت اور ان کے دھوکے سے اس کو بلند کرتی ہے۔

عبقری صحابی خالد بن ولیدؓ نے موتہ کے معرکے میں باز رہنے کی شجاعت کا انتخاب کیا۔ کیوں کہ ان کی نظر میں اس وقت اقدام ان کے رفقاء کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف تھا، اس لیے انھوں نے پسپائی اختیار کی اور مدینہ منورہ واپس آ گئے۔ وہ شجاعت اور تجربے کے لحاظ سے ممتاز تھے اور یہ وہ دن تھا، جب پسپائی اختیار کرنے والوں کو بچکانہ ذہن رکھنے والوں نے بھگوڑوں کا لقب دیا، جب کہ نبی کریم ﷺ نے ان کی تعریف کی اور انھیں کُرَّ اریعنی ''پلٹ کر حملہ کرنے والے'' قرار دیا۔

اور اس وقت باز رہنے کی شجاعت ہی درست شجاعت تھی، چنانچہ خالد بن ولیدؓ نے اسی کو اختیار کیا۔ اس وقت اقدام کی شجاعت غلط ہوتی، اسی لیے آپ نے اس سے پرہیز کیا۔

۷۱- مطلوبہ سکون

ہماری دعوت ہے کہ شورش انگیزی کے بجائے حکمت، بھڑکانے کے بجائے صبر وعمل اور زندگی کے کاموں کو یوں ہی کر لینے کے بجائے ان کو مہارت سے کرنے کی طرف توجہ دی جائے اور زندگی کی تعمیر میں شرکت کی جائے۔

۷۲- متعین معانی کا اعتبار، نہ کہ ناموں کا

اگر کسی نام کو بدلنے کی ضرورت پیش آئے تو داعیوں کا یہ فریضہ ہے کہ وہ اس شرط پر کام کریں کہ بدلا ہوا نام اصل چیز کی حقیقت کو متاثر نہ کرے۔

اسلام کی اولین فتوحات کے دور میں قبیلہ تغلب اسلام کی حکم رانی پر راضی ہو گیا، جب کہ وہ لوگ نصاریٰ تھے۔ لیکن اس نے اس بات کو ناپسند کیا کہ وہ ٹیکس دے اور اس نے اس بات کا اعلان کیا کہ وہ اس شرط پر ٹیکس دے گا کہ اسے صدقہ کہا جائے، کیوں کہ جزیہ کے نام میں اس نے ذلت کا پہلو محسوس کیا تو خلیفہ عظیم عمر بن خطابؓ نے اس درخواست کو قبول کر لیا۔ کیوں کہ وہ لوگ معنیٰ پر تو راضی ہو گئے تھے، صرف نام کو ناپسند کرتے تھے۔ یہ حضرت عمرؓ کے عبقری کارناموں میں سے ایک کارنامہ ہے۔

۷۳- ہمارے معاشرے مسلمان تو ہیں، لیکن

ہمارے معاشرے مسلم معاشرے ہیں، جاہلی معاشرے نہیں ہیں اور ان میں جو کمی یا بدعملی یا بدعتیں یا گمراہیاں پائی جاتی ہیں، ان کی بنیاد پر انھیں جاہلی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ البتہ ان میں جو چیز ایسی ہے، جو جاہلی ہے، اس کو جاہلی تو کہا جا سکتا ہے، تاہم وہ جزئی جاہلی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوذرؓ کی بات کو اس وقت جاہلی قرار دیا، جب انھوں نے

حضرت بلالؓ کی شان میں یہ بات کہی کہ ''اے کالے کے بیٹے'' اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کی یہ عظیم شان تھی کہ آپ نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو یہ نہیں کہا کہ تم ''جاہلی'' ہو، بل کہ ایسی بات کہی، جس سے یہ اشارہ ملتا تھا کہ جاہلیت کی کوئی چیز باقی رہ گئی ہے، اسی لیے ابوذرؓ نے فوراً اپنی کمی کو محسوس کیا اور اس سے تائب ہوئے اور بلالؓ سے معذرت کی۔ چنانچہ جاہلیت کی باقی ماندہ چیز نے انھیں اسلام سے خارج نہیں کیا۔

یہی آج ہمارے معاشروں کا حال ہے۔ ان میں کچھ چیزیں ایسی ہیں، جنھیں جاہلیت کی چیزیں کہنا صحیح ہے۔ ان چیزوں کے اندر ایک دوسرے سے تفاوت پایا جاتا ہے اور زمانے کا فرق بھی پایا جاتا ہے اور مقام کا فرق بھی پایا جاتا ہے، اس کے باوجود ہمارے معاشرے مسلم معاشرے ہی رہیں گے۔ لیکن داعیوں کی یہ ذمے داری ہے کہ وہ لوگوں کو اسلامی معاشرے میں پائی جانے والی ان جاہلی چیزوں سے آگاہ کریں اور لوگوں کو اس سے بچانے کی کوشش کریں اور اس بات کو پوری وضاحت کے ساتھ کہیں کہ اسلام ان چیزوں سے پاک وصاف کیے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا۔

۴۷- نومسلم

مسلمانوں کا مزاج ہے کہ وہ ہر نئے اسلام قبول کرنے والے سے خوش ہوجاتے ہیں۔ لیکن یہ خوشی کبھی کبھار حد سے بڑھ جاتی ہے اور ہم ایسی غلطیوں کا شکار ہوجاتے ہیں، جن سے بچا جاسکتا تھا۔ ممکنہ غلطی سے بچنے کے لیے اور اپنے اور نومسلم کے فائدے کے لیے ہمارے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم پہلے نومسلم کی نیت، عقل، استقامت اور حکمت کی یقین دہانی کرلیں، پھر اعتدال کے ساتھ اس کی مدد کریں، تاکہ نیت، فہم، عمل ہر طرح سے اسلام اس کے اندر راسخ ہوجائے اور اپنی فطری رفتار سے بہ تدریج آگے بڑھے۔ لیکن اگر ہر نئے اسلام لانے والے کی ہم نے مادی ومعنوی دونوں طرح حد سے زیادہ تکریم کی تو اس سے وہ اسے کمانے کھانے کا ذریعے بنالے گا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ مغرور ہوجائے اور اپنے آپ کو استاد سمجھنے لگے کہ بجائے ہم سے سیکھنے کے وہ ہمیں سکھانے لگے۔

۷۵- فتوحات بھی شکستیں بھی

اسلامی تاریخ میں بہت سے کارہائے نمایاں ہیں، جو قابل فخر ہیں۔ اسی طرح اسلامی دعوت کے میدان میں بھی بہت سے قابلِ فخر کارہائے نمایاں ہیں۔ ماضی کے یہ کارنامے نفع بخش سامان بن جاتے ہیں جب وہ ایسے عملی روح کی طرف منتقل ہو جائیں جو مستقبل میں اس کو بروئے کار لانے کی کوشش کی طرف رہنمائی کرے۔ لیکن اگر ان کو فخر کا اور ماضی کی عظمت کے قصیدے پڑھنے کا ذریعہ بنا لیا جائے اور خود کچھ نہ کرنے کا حیلہ تو یہ انتہائی نقصان دہ ہوں گے۔ تاریخ اسلامی میں اور اسلامی دعوت میں جو غلطیاں ہوگئی ہیں، اگر ہم ان سے عبرت حاصل کریں اور مستقبل کا رخ عملی اور تعمیری روح کے ساتھ کریں تو یہ مفید ہوں گی اور اگر ہم ان پر رونے، ماتم کرنے اور ملامت کرنے پر اکتفا کرلیں تو یہ نقصان دہ ہوں گی۔

۷۶- فتن وملاحم کی احادیث کے تئیں صحیح موقف

اسلام ایک ثابت شدہ دین ہے، جسے اللہ کے حکم سے کام یاب ہونا ہے۔ مستقبل اسی کا ہے، گرچہ دشمنوں کو یہ کتنا ہی برا کیوں نہ لگے۔ قرآن کریم کی آیات، حدیث شریف کے نصوص، صورت حال کی بشارتیں اور مستقبل کے آثار سب اسی کی گواہی دیتے ہیں۔

دین کے داعیوں اور مبلغوں کو اس کا پورا یقین رکھنا چاہیے۔ کیوں کہ یہ امید صحیح بھی لگتی ہے، پھر یہ یقین واعتماد جدوجہد کرنے اور نئے نئے مددگار بنانے میں ان کے کام بھی آئے گا۔

یہاں یہ بات بھی ذکر کرنا مناسب ہوگا کہ فتن وملاحم کی بیشتر حدیثیں کم زور ہیں، جو ان میں صحیح ہیں اور یہ بتاتی ہیں کہ امت کے امور بد سے بدتر ہوتے چلے جائیں گے۔ ان کی زمانی، مکانی یا شخصی خصوصیت ہے، جو ان کو یقین کی صفت سے خالی کر دیتی ہے۔ لہٰذا ان کی دلالت کو عام کرنا ایک زبردست غلطی ہے، کیوں کہ یہ غلط دلالت بہت سے عام قوی وصریح شرعی نصوص سے ٹکراتی ہے، جو

نصرت کی بشارت دیتی ہیں۔ ساتھ ہی یہ کائنات میں جاری اللہ کی سنت کے خلاف ہے۔ اسی طرح جدید وقدیم تاریخ کے بھی خلاف ہے۔ ٹھیک اسی طرح یہ اللہ تعالی کے عدل کے بھی خلاف ہے کہ اللہ ایسا کیوں کرے گا کہ لوگوں کو اپنے دین کی نصرت پر ابھارے اور انھیں اپنی نصرت کا وعدہ کرے، جب کہ وہ یہ بھی جانتے ہوں کہ ہر حال میں ان کے ہاتھ ناکامی ہی آئے گی؟ جب ہم یہ سمجھ لیں گے کہ جزئی کو کلی کی روشنی میں اور ظنی کو قطعی کی روشنی میں سمجھا جائے گا تو ہم فتن کی حدیثوں کو ان کے صحیح مقام میں رکھیں گے اور ہمیں یہ یقین ہوگا کہ اسلام ایسا دین ہے، جس کو اللہ تعالی کی نصرت ضرور حاصل ہوگی۔

۷۷۔ مستقبل تو اسلام ہی کا ہے

اسلام ایسا دین ہے، جس کی نصرت کی جاتی ہے۔ اس لیے کہ وہ لوگوں کے لیے اللہ عزوجل کا آخری پیغام ہے اور اللہ نے اس کو تمام ادیان پر غالب کرنے کا وعدہ کیا ہے۔

صحیح بات تو یہ ہے کہ امت مسلمہ وقتاً فوقتاً کم زوری سے دوچار ہوتی ہے، لیکن اپنے پُر جوش عقیدے، اپنی وسیع سرزمین، اپنے زیر قبضہ اہم حکمت عملی اپنے متنوع عظیم مال ودولت اور اپنی آبادی کے عمومی ارتقاء کے باعث ہمیشہ اپنی کم زوری پر غالب آجاتی ہے اور قیادت کے مناصب کو بازیاب کر لیتی ہے۔ اس کی طویل تاریخ اس کی شاہد ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑی بڑی مصیبتیں، جن کا سامنا امت مسلمہ کو کرنا پڑا ہے، اگر کوئی دوسری قوم ان سے دوچار ہوئی ہوتی تو پوری طرح ختم ہوگئی ہوتی۔

داعیوں کی ذمے داری ہے کہ وہ اس حقیقت کی مسلسل خوش خبری سناتے رہیں، اس لیے کہ ناامیدی کو قتل کرتی ہے اور امید جگاتی ہے اور کام پر اکساتی ہے، لیکن اس خوش خبری کے ساتھ ساتھ لازمی جدوجہد پر آمادہ کرنا اور اسباب کو اختیار کرنا ضروری ہے، کیوں کہ اللہ عزوجل کی یہ عام سنت ہے اور اس سنت کے مطابق بے کار لوگوں کو مفت مدد سے سرفراز نہیں کیا جاتا۔

ساتواں محور

مقاصد اور وسائل

۷۸- اہداف ووسائل

اساسی اہداف ثابت ہیں، مگر فروعی اہداف مرحلہ وار چیز ہیں۔ جہاں تک وسائل کی بات ہے تو ضروری ہے کہ وہ ترقی پذیر، لچک دار اور نت نئے ہوں اور ان میں تبدیلی، تنوع، ترقی مسلسل ہوتی رہنی چاہیے۔ اس میں مسلمانوں وغیر مسلموں سبھی کے تجربات سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، کیوں کہ حکمت مومن کی گم شدہ متاع ہے۔ پھر اس دعوتی عمل کے وسائل میں سے ہر وسیلے کو ہم دو ضابطوں کے ساتھ ہی اختیار کیا جانا چاہیے۔ ایک یہ کہ اس کے قیام سے قبل اس کی واقعی ضرورت ہو۔ دوسرے یہ کہ اس کے قیام کے بعد اس کے فائدے نقصانات سے زیادہ ہوں، ورنہ ہم ان کو اختیار ہی نہ کریں گے۔ اس بات کی خواہش ضروری ہے کہ مقاصد مقاصد رہیں اور وسائل وسائل رہیں اور یہ بات خطرناک ہوگی کہ مقاصد وسائل ہو جائیں اور وسائل مقاصد۔ یہ بات ہماری تاریخ اور ہماری ثقافت میں رونما ہوئی ہے۔

۷۹- باصلاحیت نوجوانوں پر توجہ

ہم اس پر بھی یقین رکھتے ہیں کہ طلبہ میں جو ابھرتے ہوئے اور خداداد صلاحیت والے ہیں، ان پر زیادہ زور دیں، کیوں کہ یہی تجدید و ترقی کے قائد اور مستقبل کے امین ہیں اور یہی سودمند متبادل فراہم کرنے میں اہم کردار ادا کریں گے۔

۸۰- گفتگو کا ادب

ہماری دعوت یہ ہے کہ گفتگو اور مذاکرات کے طریقے سیکھے جائیں، کیوں کہ گفتگو دعوت کے کام یاب ترین ذرائع میں سے ہے، جو جتنے اچھے مذاکرات کرسکتا ہے، وہ اپنے مقدمے کی اتنی ہی اچھی پیروی کرسکتا ہے۔ اگر اس کا الٹا ہوگا تو نتیجہ بھی الٹا ہوگا۔

۸۱- کبھی غیر ترجیحی عمل بھی اولیٰ ہوسکتا ہے

لوگوں کے نزدیک دعوتی اور فقہی ترجیحات زمانے، احوال اور علم وفہم کے معیارات مختلف ہونے کی وجہ سے الگ الگ ہوسکتی ہیں۔ یہ حکمت نہیں ہے کہ کوئی شخص اپنی رائے اور پسند کو دوسروں پر تھوپ دے، اگرچہ اپنی پسند کو زیادہ صحیح اور افضل سمجھتا ہو۔ زیادہ اچھی چیز پر الگ ہونے سے بہتر ہے کہ ہم اس سے کم درجہ والے خیر پر جمع ہوں اور غیر ترجیحی بات پر تعاون اس سے بہتر ہے کہ ہم افضل کے جھگڑے میں پڑیں۔

۸۲- مطلوبہ تفریح

جائز حدود میں تفریح وہ چیز ہے، جو نئی نسل کو جماعت سے سب سے زیادہ جوڑتی ہے اور جماعت سے تعلق مضبوط ہوگا تو نوجوان اس کے لیے پرجوش ومخلص ہوں گے اور اس کے نظریات کو بہتر طور پر اخذ کریں گے۔ چنانچہ ہم اس کی دعوت دیتے ہیں اور ہمارا کہنا ہے کہ مختلف مواقع پر مثلاً عیدین پر تعلیمی سال کی شروعات واختتام پر تفریحی پروگراموں کو منظّم کیا جائے اور اس کے لیے جلسے، شعر ونغمے کی محفلیں، مقابلے، ریاضیت کی سرگرمیاں منعقد کی جائیں اور حصہ لینے والوں کو تحفے اور ہدایا پیش کیے جائیں۔

۸۳- تنازعے سے گریز

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''اور رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اور لوگوں سے مباحثہ کرو، ایسے طریقے پر جو بہترین ہو'' (النحل:۱۲۵) ''اور اہل کتاب سے بحث نہ کرو، مگر عمدہ طریقہ سے، سوائے ان لوگوں کے جو ان میں سے ظالم ہوں۔'' (العنکبوت:۴۶)

ہم اس بات کی بھی دعوت دیتے ہیں کہ نظریاتی سوالوں کا باب بند ہو۔ فرضی مباحثوں، شاذ اقوال، متروکہ اجتہادات، ظنی احتمالات اور عبث مناظرہ بازی کو ختم کیا جائے، کیوں کہ اس میں وقت، محنت اور مال سب کا ضیاع ہے۔ اس میں الجھ کر آدمی ان حقیقی ذمے داریوں سے بھاگتا ہے، جن کو

انجام دینا ضروری ہے، جیسا کہ اکثر اوقات وہ ناپسندیدگی، نفرت اور بغض وحسد تک لے جاتے ہیں اور اگر یہ ضروری ہی ہو تو ہمیں بہترین طریقے سے اختلاف کرنے کے اصول پر کاربند ہونا چاہیے، جیسا کہ قرآن کریم نے ہدایت دی ہے۔

۸۴-عربی کی اہمیت

علم ومعرفت کے لیے زبان مستقر اور گہوارے کی حیثیت رکھتی ہے اور عربی زبان اسلامی ثقافت کا پہلا گہوارہ تھی، اسی لیے عمومی طور پر عربی عقل شرعی نصوص کے فہم کے لیے غیر عربی عقل سے زیادہ درست تھی۔ عربی زبان زندگی میں دوسری زبانوں کی شریک ہے، لیکن وہ اس لحاظ سے دیگر زبانوں سے منفرد ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس کو اپنی مقدس کتاب کے لیے منتخب فرمایا اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی اپنے پیغام کے سلسلے میں زمان ومکان اور انسان وزبان کو بہتر جانتا ہے اور اسی لیے سنت مطہرہ اور بیشتر اسلامی ورثے کی زبان عربی ہی قرار پائی۔ اسلامی تاریخ کا تجزیہ اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ اسلام جہاں بھی پھیلا، عربی زبان ساتھ ساتھ رہی۔ کیوں کہ یہ اسلام کے فہم اور اس کے تسلسل کے لیے زیادہ مفید تھی، یہاں تک کہ اسلام کے سیاسی اقتدار کے زوال یا اس کی کم زوری کے بعد بھی یہ خوب جاری رہی، اسی وجہ سے ضروری ہے کہ ہم غیر عرب مسلم مسلکوں میں خاص طور پر اور پوری دنیا میں عام طور پر جتنا بھی ہو سکے عربی زبان کے فروغ کی کوشش کریں۔

۸۵-وسیلہ اور مقصد بیک وقت

اسلامی عمل کا حتمی مقصد اللہ عزوجل کے کلمہ کو بلند کرنا اور لوگوں کو اس سے روشناس کرانا ہے اور یہ مقصد اپنی عظمت اور اپنے شرف کے باعث اعلیٰ اور صرف اعلیٰ وسائل کا ضرورت مند ہوتا ہے اور یہی بات ہمیں اٹلی کے سیاست داں میکاولی سے منسوب مشہور سیاسی عبارت سے محتاط رہنے کی دعوت دیتا ہے۔ اس کا مطلب ہے: ''مقصد وسیلے کو جواز عطا کرتا ہے۔'' اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ مقصد کی بلندی اس وسیلے کی برائی کو جواز عطا کرتی ہے، جس کو اختیار کرنے کے ہم ضرورت مند ہو سکتے ہیں،

جب کہ یہ بات اسلام میں پوری طرح مستند کر دی گئی ہے۔لیکن میکاولی کی یہ بات مسلمانوں میں پھیل گئی اور ان میں سے بہت سوں نے اس کو قبول کر لیا، جب کہ یہ سراسر غلط بات ہے اور اس سے بدتر بات یہ ہے کہ اس عبارت کو ان میں سے بعض لوگوں کے درمیان بھی قبولیت حاصل ہوگئی، جو دعوتی عمل سے وابستہ ہیں اور انھوں نے اس پر عمل کرنا شروع کر دیا تو نتیجہ المیہ یا لگاتار المیوں کی شکل میں ظاہر ہوا۔ دعوتی عمل کے لیے ضروری ہے کہ وہ زبان سے اور عمل سے بھی اس عبارت کو حرام سمجھنے کا ثبوت فراہم کریں اور جن لوگوں نے اس پر عمل کیا ہے، ان سے اپنی برأت کا اظہار کریں اور ان جیسے لوگوں کو دعوتی عمل میں نقب زنی کرنے سے روکنے کے لیے ضروری احتیاطی تدابیر اختیار کریں۔

آٹھواں محور

منہجی احتیاطیں

۸۶- پیغام نہ کہ پیشہ

دعوت وتبلیغ اگر پیغام کی بجائے پیشے میں بدل جائے، جیسا کہ اکثر ہو جاتا ہے تو جوہر پر رسم، فعالیت پر جمود، ایثار پر اقرباء پروری، حقیقت پر تصنع اور نفاق سچ پر غالب آجائے۔ یہ سب چیزیں دعوت وتبلیغ کی آفتیں ہیں، جن کے درجات مختلف ہیں۔ اگر دعوت وتبلیغ پیغام کے بجائے پیشے میں بدل جائے تو یہ آفتیں پیش آتی ہیں اور یہ آفتیں مسلمانوں کو دعوت وتبلیغ سے دور اور اس عمل کے دشمنوں کو مضبوط اسلحہ فراہم کرتی ہیں۔

۸۷- قیادت کا ایک ہی مرکز ہو

اس بات سے شدید طور پر ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے کہ دعوتی عمل کے دو مرجع ہوں، ایک ظاہری، جس کا کردار شکلی اور دکھانے کا ہو اور ایک خفیہ جس کا کردار حقیقی ہو، جو ظاہری شکل کے ساتھ کھلواڑ کرے۔ ظاہر شکل صورت رہے، جب کہ کام سارا خفیہ مرکز کرتا ہو، جو حقیقت میں فیصلہ کن ہو، جو ظاہری مرجعیت پر اپنا فیصلہ مسلط کرے، جس نے اپنی صورت حال ایسی بنالی ہو کہ وہ جو چاہے کر ڈالے۔ یہ بالکل غلط بات ہے، جو دعوتی کام کے بنیادی اصول کے خلاف ہے، خاص کر شوریٰ کے ضابطے کے خلاف اور غیر شرعی فیصلوں کو شرعی قرار دینے کے مترادف ہے، بل کہ صحیح معنیٰ میں یہی تو آمریت ہے۔ اس سے یہ ہوگا کہ جو خفیہ مرجعیت ہے، وہ ظاہری مرکزیت کو حقارت کی نظر سے دیکھے گی اور ظاہری مرکزیت خفیہ کو حسد کے ساتھ دیکھے گی، اس کی جاسوسی کرے گی اور وہ دونوں ایک دوسرے کو کم زور بنانے کی کوشش کریں گی۔ اس سے دونوں میں عداوت وبغض پیدا ہوگا۔ اس سے ناکامی وذلت ہاتھ آئے گی۔ اس سے دعوتی عمل متاثر ہوگا، بل کہ جس دعوتی کام میں اس قسم کی دوئی پائی گئی تو اسکے سبب اسے بڑی قیمت چکانی پڑی۔

۸۸-تبدیلی کے فریب

تبدیلی کا لفظ اہل دعوت اور دیگر حضرات کے یہاں پسندیدہ شعار ہے۔اس سے قطع نظر کہ تبدیلی فی الحقیقت درست ہے یا غلط ہے۔ یہاں جس پر زور دینا مقصود ہے، وہ یہ ہے کہ تبدیلی لازماً بہتری پر ہی مبنی نہیں ہوتی، بل کہ بسا اوقات نیا متبادل عام لوگوں اور خاص طور پر اہل دعوت کے لیے نہایت بدتر ہوتا ہے۔ایک قدیم شاعر نے کہا تھا، جس کا مفہوم یہ ہے:

میں ایک دن کی مصیبت پر رویا، لیکن جب میں نے دوسرے دن کی مصیبت دیکھی تو میں اس پر بھی رویا۔

عبقری صحابی عمرو بن العاصؓ نے فرمایا تھا: ''ظالم حاکم اس فتنے سے بہتر ہے، جو جاری رہے۔'' آپؓ نے ظالم بادشاہ کی تعریف تو نہیں کی، لیکن متبادل پر نگاہ رکھی، اس لیے احتیاط ضروری ہے۔

۸۹-ردعمل

ہم ردعمل میں کیے جانے والے کاموں سے خبردار کرنا ضروری سمجھتے ہیں، جو بعض مصلحین کے یہاں در آتا ہے۔ جب فہم یا عملی رویے میں انھیں کوئی انحراف دکھائی دیتا ہے تو وہ جتنا ہونا چاہیے، اس سے زیادہ ردعمل ظاہر کرتے ہیں یا تو مبالغہ کر دیتے ہیں یا جن چیزوں میں گنجائش ہے، اس میں تنگی پیدا کر دیتے ہیں۔

۹۰-ذہنی تعیش

تعیش ایک خطرناک مالی برائی ہے، جو زندگی کے تمام گوشوں میں دوسرے مفاسد کو جنم دیتا ہے، اسی لیے اسلام نے تعیش کے خلاف جنگ کی ہے اور کسی قوم میں اس کے پھیل جانے کو ہلاکت و بربادی کا سبب قرار دیا ہے۔ یہیں سے داعیوں و مبلغوں پر لازم ہے کہ وہ تعیش کا راستا روکیں، اس کے خلاف لڑیں۔

تاہم تعیش کی ایک قسم اور بھی ہے، جو پہلے والے تعیش سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ یہ وہ ذہنی تعیش ہے، جو بعض داعیوں یا داعی نما لوگوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ کیوں کہ ہم اس تعیش کی مثال ان لوگوں میں دیکھتے ہیں، جو کسی ایسے فرقے کے مطالعہ میں لگے ہوئے ہیں، جواب ختم ہو چکا اور اب اس کا کوئی وجود نہیں رہا یا ان لوگوں میں جو پوری ایک فصل یا پوری کتاب لکھتے ہیں، جس کو پڑھ کر آپ کو سمجھ میں نہ آئے کہ وہ کیا چاہتا ہے؟ وہ بھی اسی میں مبتلا ہے۔ اسی طرح بعض وہ ہیں، جن کے پاس بلاضرورت معلومات کا انبار ہے، جو ان لوگوں کی فکر کے کچھ کام نہ آئیں، بل کہ ممکن ہے کہ بالکل بھی صحیح نہ ہوں، بس وہ قاری کو اپنی وسعت معلومات سے مبہوت کر دیتے ہیں۔ بعض لوگ ایسی ثقیل اور نا قابل فہم زبان لکھتے ہیں، جس کا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ یا تو لکھنے والے کے ذہن میں ہی بات واضح نہیں ہے یا کسی اور سبب سے وہ صاف کہنے کی جرأت نہیں رکھتا۔

اس قسم کی ساری باتیں ذہنی تعیش کے زمرے میں آتی ہیں، جو اگر مالی تعیش سے خراب تر نہیں تو اس سے کم بھی نہیں ہیں اور ضروری ہے کہ مخلص اور صحیح الفکر داعی اس سے خبردار کریں۔ وہ مال، وقت، محنت اور اجر سب کو ضائع کرنا ہے اور حقیقی فرائض سے راہ فرار اختیار کرنا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ باتیں غفلت میں ڈالنے، کنٹرول پانے یا دوسروں کے بہکاوے میں ہو رہی ہوں۔ اگر یہ چیزیں ہیں اور نیت صحیح بھی ہو، تب بھی نتیجہ برا ہی برآمد ہوگا۔

۹۱- تعصب اور جانب داری

یہ بالکل فطری ہے کہ داعی اس وسیلے کے لیے جانب دار ہو، جسے اس نے اختیار کیا ہے، کیوں کہ اس نے اس کو تبھی اختیار کیا ہوگا، جب دوسرے وسائل کے مقابلے میں اس کو بہتر پایا ہوگا۔ داعی پر لازم ہے کہ وہ ان وسائل کے غلطی سے مبرا ہونے اور اس کے کمال کا دعویٰ نہ کرے اور دوسرے کے وسائل کی قیمت نہ گھٹائے۔ اگر ایسا ہے تو یہ جانب داری جائز، قابل تعریف، بل کہ ضروری ہے۔ اگر اس کے برخلاف ہوا تو وہ اس تعصب میں پڑ جائے گا، جو مذموم ہے، جس کو اسلام حرام قرار دیتا اور جاہلیت بتاتا ہے۔

اس کا لازمی تقاضا یہ بھی ہے کہ ہم ہمیشہ یہ یاد رکھیں کہ فضیلت کا معیار اور پیمانہ صرف اور صرف تقوی اور عمل صالح ہے۔ اس کا یہ بھی لازمی تقاضا ہے کہ ہم جاہلی تعصّبات یعنی علاقائی، جماعتی، قبائلی اور گروہی تعصّبات سے احتراز کریں۔

۹۲- باطل کے مقابلے میں سربلند

مومن باطل سے اونچا ہو کر رہے، یہ اچھی بات ہے، یہ اس کی دلیل ہے کہ اس کا قلب و ذہن توکل سے معمور ہے اور دین کی صحت پر اعتماد کامل ہے۔

لیکن وہ کبھی یہ غلطی کر سکتا ہے کہ باطل پر اس کا اونچا بننا کہیں مدعو پر اونچا بننے تک نہ پہنچا دے۔ یہ اپنے آپ کو بہتر اور بالاتر سمجھنا بھی نفس کے دھوکے میں سے ہے، جو آدمی کو دوسروں سے افضل قرار دینے کے وہم میں ڈال دیتا ہے اور یہ کہ اسے ان سے الگ رہنا چاہیے، تاکہ ان کے فساد سے اس کی پاکی پر، ان کی جہالت سے اس کے علم پر، ان کے تنزل سے اس کی احساس بلندی پر برا اثر نہ پڑ جائے۔ اگر وہ اس حالت پر پہنچ جائے تو صحیح بات یہ ہے کہ وہ ذرا بھی اہل دعوت میں سے نہیں ہے، بل کہ دعوت اس پر ایک بوجھ ہے۔

داعی پر لازم ہے کہ باطل پر تو بلند ہو، مدعو پر نہ ہو، بل کہ ان کی خدمت کرے، ان سے محبت کرے اور ان کی باتوں پر صبر کرے اور ان میں چھپے ہوئے خیر کے جذبات کو ابھارے اور اس پر خدا کا شکر گزار ہو، اس طرح اپنی بلندی کو وہ صحیح مقام پر رکھ دے گا اور نفس کے دھوکوں سے محفوظ رہے گا۔ یہ حق اور اصول کی بلندی ہوگی، فرد اور جماعت کی نہیں۔

۹۳- عادت نہ کہ دین

بعض اوقات بعض عادات، اطوار اور عرف کی چیزوں کو بڑا وزن حاصل ہو جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہونے لگتا ہے کہ وہ دین ہیں، حالاں کہ وہ دین کا حصہ نہیں ہوتیں۔ اس کو آپ شادی وغمی اور عمومی

واجتماعی تعلقات میں محسوس کر سکتے ہیں اور خاص کر خواتین کے سلسلے میں موقف پر۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم دین اور روایت میں فرق وتمیز کریں اور عادت کو دین کی کسوٹی پر رکھ کر ہی اس کے رد وقبول کا فیصلہ کریں۔

۹۴- بے عملی، بدعملی اور کاہلی

بہت سے داعی اور مبلغ امت کے شان دار ماضی کی طرف اس انداز میں بھاگتے ہیں کہ ہمیشہ اسی کے گن گاتے ہیں، اسی کی باتیں کرتے ہیں اور اس سے وابستگی پر شادیانے بجاتے ہیں، لیکن حال میں کچھ نہیں کرتے اور اس وہم میں پڑے رہتے ہیں کہ اس گفتگو سے انھوں نے اپنی کوتاہیوں کی تلافی کر دی ہے تو وہ زمانہ سازی اور مستقبل کی تعمیر میں مؤثر شرکت کے بجائے اپنی ذات میں محدود رہتے ہیں۔

دوسرے لوگ ہیں، جو عصر حاضر میں امت کی زبوں حالی اور فرسودہ حالات پر بہت طویل گفتگو کرتے ہیں۔ شکوہ وشکایت، رونے دھونے کے علاوہ کبھی اس تنظیم کو اپنی بری حالت کا ذمے دار قرار دیں، کبھی اس ادارے کو۔ لیکن جو کچھ بھی ان سے بن پڑ سکتا ہے، وہ نہیں کریں گے۔ انھیں بھرم یہ ہوگا کہ اس طرح انھوں نے اپنی ذمے داری ادا کر دی ہے تو وہ زندگی میں اپنے کردار وعمل کو انگیز کرنے کی بجائے اور خلافت کے اس پیغام کو محسوس کرنے کی بجائے جس کے ذریعے اللہ نے اس کو تمام مخلوقات پر فوقیت بخشی ہے، وہ ناامیدی اور تنازعات کی پگڈنڈیوں میں بھٹکتے رہتے ہیں۔

اور یہاں ایک تیسرا گروہ بھی ہے، جو مستقبل کی طرف بھاگتا ہے۔ خود کچھ نہیں کرتا، مگر کسی امام مجدد یا مہدی منتظر یا خداداد قائد یا نجات دہندہ کی آمد کا منتظر ہو بیٹھا ہے۔ اسے یہ وہم ہے کہ آنے والا ہمارے سارے درد دور کر دے گا اور ساری امیدیں پوری ہو جائیں گی۔ یہ لوگ آفاقی قوانین اور عادات جاریہ اور خدا کی غیر جانب دار سنتوں کی طرف کوئی دھیان نہیں دیتے تو اس کی تہذیبی کارکردگی تساہلی کا شکار ہو جاتی ہے اور وہ فرماں روائی کرنے والی بلند قدر و قیمت سے محروم ہو جاتا ہے، جب کہ یہی آبادکاری کی قدر و قیمت ہے۔

یہ تینوں قسم کے لوگ حقیقت میں اپنی ذمے داری سے راہ فرار اختیار کرتے ہیں۔ جس کام پر یہ قادر ہیں، اس سے بھاگتے ہیں۔ اپنے نکمے پن کی وجہ سے جھوٹے بہانے اور عذر ڈھونڈتے اور اپنے آپ کو خود ہی دھوکہ دیتے ہیں۔ یہ لوگ دعوتی کام کے ساتھ ہی زندگی پر بھی بوجھ ہیں۔

مطلوب یہ ہے کہ مسلمان اپنی دعوت کو اور اپنے زمانے کو پہچانے اور جس پر قادر ہے، اسے جانے اور اخلاص وکمال کے ساتھ اسے پورا کرے۔ کام چاہے چھوٹا ہو یا معمولی، تھوڑا تھوڑا کر کے ہی بڑا ہوتا ہے۔ قطرہ قطرہ سے دریا بنتا ہے اور جب اللہ عزوجل اپنے بندوں کی طرف سے اخلاص وکمال دیکھے گا تو عمل کو قبول کر کے ان کو نشو نما دے گا، چاہے جتنا بھی ہو۔ اس کے بعد امت کو اس کے اچھے پھل اور بہترین ثمرات اس سے ملیں گے۔

۹۵- فضول وتباہ کن گفتگو

نفس کے دھوکوں میں سے یہ بھی ہے کہ بعض داعی بجائے کوئی مفید کام کرنے کے مختلف مواقع پر مل بیٹھ کر بے کار کی باتیں کریں۔ اپنی گفتگو میں مشرق ومغرب کی اور دنیا جہان کی باتیں کریں۔ اس پر تنقید اس پر ملامت، اس جماعت اور اس ادارے کی مذمت، مختلف احوال پر ناراضگی کا اظہار اور بعض مسائل میں بے جا اور لمبی لمبی آرزوئیں باندھیں۔ پھر بغیر کسی کام کے ہاتھ جھاڑ کر کھڑے ہو جائیں، اس وہم میں کہ انھوں نے بہت کچھ کر ڈالا ہے اور وہ خدا کے یہاں معذور ہوں گے کہ دین کی نصرت بہ قدر استطاعت کر چکے ہیں۔ حقیقت میں انھوں نے ذرا بھی دین کی نصرت نہیں کی، بل کہ اس بے کار کی گفتگو سے اپنے آپ کو دھوکہ دیا ہے، جسے وہ بار بار کرتے رہتے ہیں، جس میں اپنا فارغ وقت صرف کرتے اور فضول گوئی کی اپنی خواہش پوری کرتے ہیں۔

ان کا یہ عمل اپنے آپ کو جھوٹی تسلی دینا ہے کہ ہم نے دین کی خدمت کر لی اس سے وہ اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہیں اور ایک دوسرے کو دھوکہ دیتے ہیں۔ ایک دوسرے کو طفل تسلیاں دے کر خوش ہو لیتے ہیں۔ اپنے حقیقی فرائض سے بھاگتے ہیں، اپنی کم زوری، منفی سوچ اور فضول گوئی کو دینی لباس پہنا دیتے ہیں، جس کے وہ بالکل بھی مستحق نہیں ہیں۔

۹۶- زبردست کوتاہی

مسلمانوں کے بہت سے کام میں، جن میں دعوت وتبلیغ کرنے والے بھی ہیں، دینی ودنیوی معاملات میں زبردست کمی پائی جاتی ہے۔ یہ معاملہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جو جلیل القدر نعمتیں عطا کی ہیں، ان سے متصادم ہے۔ وہ اسی لیے عطا کی ہیں کہ وہ انسانیت کے رہبر اور تہذیب کے خالق بنیں۔ یعنی انھیں ایک محرک اور صحیح عقیدہ عطا کیا۔ وسیع ثروتیں، حکمت عملی کے طور اور اہم موقع محل ونمو پذیر انسانی ذرائع دیے۔ اس لیے مسلمانوں میں جو دانش مند ہیں، ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس مسئلے کا مطالعہ توجہ سے کریں، تاکہ مسلمان تعطل سے فعالیت اور کوتاہی سے کارنامے کی طرف گامزن ہوں۔ اس بارے میں سب سے زیادہ مددگار جدیت، تخلیقی صلاحیت، مقابلہ، عمدگی، برابر کے مواقع، ادارہ جاتی کام، اچھا کرنے والے کی حوصلہ افزائی، برا کرنے والے کا احتساب اور کام سے محبت جیسے خصائل ہیں۔

۹۷- پراسراریت کے خطرات

ہم اسلامی فکر اور اسلامی مقصد کے سلسلے میں تاویل، پراسراریت اور باطنیت کی چیزوں سے خبردار کرتے ہیں۔ ہمارا زور اس پر ہے کہ اسلام ایک کامل اور شفاف دین ہے۔ اس کے مبادی اور افکار واضح ہیں، جن میں نہ تو کوئی اخفاء ہے، نہ کوئی اضافہ۔

اس کے عقائد کا کھلا ہونا ہی اس کی قوت ہے۔ کیوں کہ انسان اس چیز کا اعلان کرتا ہے، جس پر اسے فخر ہو۔ پھر یہ کہ لوگ اپنی فطرت سے انھی افکار کو جلدی قبول کرتے ہیں، جو واضح، علانیہ، قابل فہم اور سیدھے ہوں اور اپنی فطرت سے ان افکار سے دور بھاگتے ہیں، جو مبہم، پوشیدہ، ژولیدہ اور فساد آلودہ ہوں۔

پراسرار چیزوں کی غلطیاں دشمن کے مقابلے میں اپنے علم برداروں کو ہی زیادہ نقصان پہنچاتی ہیں، جیسا کہ ان کی پوشیدگی دشمنوں میں اضافہ کرتی ہے۔ کیوں کہ اندھیرے میں یہ غلطیاں دکھائی نہیں

دیتیں، برخلاف اس کے کہ جو غلطیاں معلوم ہوں تو روشنی میں ہونے کے سبب ان کا تدارک کیا جاسکتا ہے۔

۹۸- عمومیت کے خطرات

داعیوں کی بہت سی تحریروں میں نقصان دہ عمومیت کی آفت پھیلی ہوئی ہے۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے کہ غیر مسلم قوتوں کا صرف ایک ہی ایجنڈا ہے، یعنی اسلام سے جنگ اور گویا دشمنان اسلام ہر چیز پر قادر ہیں اور یہ کہ ہر سرکاری کام دھوکہ، سازش اور نقصان دہ چیز ہے، جس سے ہوشیار رہنا بہت ضروری ہے اور ملّی بنیاد پر ہونے والا ہر اسلامی کام خیر محض اور کامل درست ہے۔ ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ امت مسلمہ کا تشریحی گراف مسلسل اوپر اٹھ رہا ہے، جب کہ ایک اور گروپ کے نزدیک وہ مسلسل گھٹ رہا ہے۔ ایک فریق کہتا ہے کہ ہر چیز میں سازش کا دخل ہے، جب کہ دوسرے فریق کے نزدیک سازش ہے ہی نہیں۔ اس طرح کی سوچ میں انصاف اور معروضیت نہیں ہے اور سطحیت زیادہ ہے، جو حکم لگایا جارہا ہے، وہ تیار شدہ اور جلدی میں لگا دیا جاتا ہے اور جو یہ کر رہے ہیں وہ اقدام، حل اور متبادل کی تلاش کی زحمت سے بچ جاتے ہیں۔ اس طرح تیار شدہ حکم لگا کر منفی سوچ اور سستی و کاہلی میں انھیں یہ وہم ہو جاتا ہے کہ وہ معذور ہیں، کیوں کہ (یا تو وہ ایسا سمجھ رہے ہیں یا ایسا سمجھنے کا تصور کر رہے ہیں یا وہ ایسی تمنا کرتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو دیکھیں کہ) وہ شریر قوتوں کے ایک طوفان کے سامنے ہیں، جن کا سامنا کرنے کی ان میں ہمت نہیں ہے۔ پھر یہ انداز فکر اللہ کی سنت تدافع کے خلاف ہے۔ مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اس قسم کی نقصان دہ سطحی آرا سے بچے اور وہ اپنی عقل کے نور اور دل کے جوش کو جگائے اور امور کا اچھی طرح تجزیہ کرے، ان کو صحیح جگہ رکھے اور اپنے آپ کو اسباب و مسببات اور علل و نتائج کے فہم میں تھکائے۔ ان کے حل نکالے اور اوہام و خرافات کے جال میں نہ پھنسے اور اس منطق کو اختیار نہ کرے، جس کی رو سے دو متضاد چیزوں کو اختیار کرنا پڑے، جس میں سے لازمی طور پر کوئی ایک سیاہ ہو یا سفید ہو، فرشتہ ہو یا شیطان ہو، آسان ہو یا مشکل ہو اور نہایت سہل ہو یا نہایت ہولناک ہو۔

۹۹- سازشی نظریہ

بیسویں صدی کی آخری دہائیوں میں سازش سے متعلق بہت بات ہو رہی ہے۔ کچھ لوگ اس کو بہت عام کرتے ہیں اور کچھ لوگ بالکل ہی اس کا انکار کرتے ہیں۔ بعض لوگ اس بارے میں تحفظ برتتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ سازش تو ابتدائے آفرینش سے ہی موجود ہے اور یہ رہے گی، تاہم مذہبی اور عقلی کسی طرح بھی یہ درست نہیں کہ ہم ہر چیز کو سازش کے خانے میں ڈال دیں۔ ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ سازش کبھی کام یاب ہوتی ہے اور کبھی ناکام اور کبھی سازش کرنے والوں پر ہی پڑ جاتی ہے۔ یعنی نہ اس کا بالکل انکار اور نہ اس سے تخویف کی فضا پیدا کرنی چاہیے، اس کو اس کے صحیح مقام میں رکھنا چاہیے۔ سازشیات میں پڑنے کی بجائے ہمیں دوسروں کے ساتھ اتحاد و کش مکش کے قوانین کو جاننا چاہیے۔ یہ نہ ہو کہ ہم اپنی بے بسی اور اپنی غلطیوں کو سازش کی کھونٹی پر ٹانگ دیں۔

سازش سے زیادہ خطرناک بات ہمارے لیے یہ ہے کہ ہم غافل رہیں، سازش کا انکار کریں، اس کے ساتھ صحیح رویہ اختیار نہ کر سکیں، اللہ تعالی نے جن اسباب کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے ان کو اختیار نہ کریں۔

۱۰۰- مفید تضادات

بعض داعیان دین کے اندر بہت سے توہمات پھیلے ہوئے ہیں، مثلاً یہ کہ اسلام دشمن قوتیں اس کے خلاف دائمی طور پر صف آراء ہیں۔ جب کہ صحیح بات یہ ہے کہ معاند قوتیں کبھی اسلام سے جنگ پر ایک ہو جاتی ہیں، کبھی ان میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے، بل کہ بعض اوقات تو ان کے موقف سے اسلام اور مسلمانوں کو فائدہ بھی ہو جاتا ہے۔ قطع نظر اس سے کہ اس کے پیچھے ان کے محرکات کیا ہیں؟

اس لیے مسلم ذہن کے لیے ضروری ہے کہ وہ معاندانہ قوتوں کا جائزہ لے اور ان کے درمیان پائے جانے تضادات کا گہرائی سے ادراک کرے اور ملک اور عوام کے مفاد میں ان تضادات کو استعمال کرے۔ جہاں تک عمومیت کے وہم میں غرق رہنے کا تعلق ہے تو وہ اللہ کی سنت کے اور جدید وقدیم تاریخ کے حقائق کے خلاف ہے۔ وہ عقلی تساہلی ہے، جس کی وجہ سے اس میں مبتلا لوگ تضادات کی جانچ کرنے اور ان کے لیے حل ایجاد کرنے میں اپنی عقل کو استعمال کرنے سے مفر اختیار کرتے ہیں۔ یہ نفسیاتی دھوکہ ہے، جس کے ذریعے لوگ اپنی بزدلی اور کاہلی میں اپنے آپ کو معذور قرار دے کر دھوکے میں ڈالتے ہیں کہ ان کو ایسی قوتوں کا سامنا ہے، جن کے مقابلے کی ان میں کسی طرح بھی قوت نہیں ہے۔

خاتمہ

بیسویں صدی کے اختتام پر کمیونزم کا سقوط ہو گیا۔ مغربی سرمایہ داری بھی آج کل ایک مشکل امتحان سے گزر رہی ہے، جس نے اس کے بڑے بڑے مسلمات کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ اس کے اساسی قلعے بڑے سوالوں کے گھیرے میں آ گئے ہیں۔ آج مغرب میں اس امر کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے کہ اس کی قوت وتفوق کے عوامل جن کی بنیاد پر اس کی سرداری چل رہی تھی، انھوں نے پسپائی اختیار کر لی ہے اور سقوط کے عوامل روزانہ نئی باتیں سامنے لا رہے ہیں۔ خدا کی سنتیں نہ تو کام کرنے سے چوکیں گی، نہ کسی کے لیے جانب دار ہوں گی۔

اے داعیان اسلام! آپ لوگوں کے علاوہ اور کوئی ایسا نہیں بچا ہے، جسے اس کے امکانات اس لائق بنا دیں کہ وہ انسانیت کو بچا سکے۔ لہٰذا اپنے دین وعصر دونوں کے معیار کے مطابق اپنے آپ کو استوار کرو، تاکہ کشتی کے کھیون ہار بن سکو اور اس طرح اپنے ساتھ بھی بھلائی کرو اور اپنے ساتھ تمام لوگوں کے ساتھ بھی، جن میں مسلم وغیر مسلم سبھی شامل ہیں۔

آپ حضرات کی ذمے داری عام ہے، جو زمان ومکان اور انسان سب کا احاطہ کرتی ہے۔ آپ کی دعوت رحمت کی دعوت اور لوگوں کے بوجھ ہلکا کرنے والی شریعت کی دعوت ہے، جو سختی وتنگی کو دور کرتی ہے۔ بیڑیاں اٹھاتی ہے اور زمین کے تمام ہی لوگوں کے ساتھ نرمی برتتی ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ آپ یہ سمجھ لیں کہ آپ کا فرض کیا ہے؟

اور اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ آپ داعی ہیں، خدائی فوج دار نہیں۔ آپ اصلاح کرنے والے ہیں، پنجہ آزمائی کرنے والے نہیں۔ آپ تعمیر کرنے والے ہیں، تخریب کار نہیں۔ آپ

رحمت کو عام کرنے والے ہیں، بغض وعداوت کو ہوا دینے والے نہیں۔ آپ اس طرح کام کرنے والے ہیں، جیسے ایک باپ اپنے بیٹوں اور ڈاکٹر اپنے مریضوں کے ساتھ برتاؤ کرتا ہے، اس جیلر کی طرح نہیں، جو قہر وغضب سے کام لیتا ہے۔ نہ اس شخص کی طرح جو انتقام لینے والا ہو۔

جب آپ ایسا کریں گے تو خود بھی راہ راست پر ہوں گے اور دوسروں کو بھی راہ دکھائیں گے۔ خود بھی ہدایت یافتہ ہوں گے اور دوسروں کے بھی رہ نما ہوں گے اور اللہ کے بندوں کے لیے زیادہ نفع بخش بنیں گے، جو اللہ کا کنبہ ہیں اور اللہ کو سب سے زیادہ پسند وہ بندہ ہے، جو خلق خدا کے لیے نفع بخش ہو۔ اسی وقت لوگ خوش ہو کر قیادت کی زمام خود ان کو دے دیں گے، جو ان کو خیر، روشنی اور سلامتی کی راہ دکھائیں۔

یہ منشور مجوزہ قواعد وضوابط کے ایک ایسے مجموعے پر مشتمل ہے، جو شروع سے آخر تک طویل تجربات کا حاصل ہے۔ مسلسل مطالعہ، گہری نظر، مسائل سے نبرد آزما ہونے، تجربہ اور آگاہی کا نتیجہ ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ان ضوابط کو عام مسلمانوں کے سامنے عمومی طور پر اور تعلیم یافتہ حضرات کے سامنے دعوتی عمل کے دستور العمل کے بہ طور پیش کیا جائے۔ اسے فکر وعمل کا نمونہ بنا لیا جائے، تاکہ وحدت واتفاق، درستگی اور فعالیت کا دائرہ بڑھے اور اختلاف، غلطی اور تساہلی کا دائرہ کم ہو۔

امید ہے کہ اسلام کے کارکنان اسے ہاتھوں ہاتھ لیں گے اور گہری نظر سے پڑھیں گے اور اس سلسلے میں مطالعہ کر کے اس میں حذف واضافہ، ترمیم اور تقدیم وتاخیر اور اصلاحات کے لیے اپنی رائے ظاہر کریں گے۔

محترم قارئین سے یہ وعدہ کرتے ہوئے کہ وہ جو کچھ بھی ہمیں لکھیں گے، اس کو ہم شکریہ واعتراف کے ساتھ ملحوظ خاطر رکھیں گے۔ ان سے یہ فرمائش کریں گے کہ اس دستاویز کو وہ اس طرح دیکھیں کہ وہ انھیں کے ایک آدمی نے ان کے لیے لکھی ہے۔ اس لیے وہ جو مناسب سمجھیں لکھیں، ہم شکریہ کے ساتھ قبول کریں گے۔

افکار کو روشنی میں لانا اور علانیہ ان پر مباحثہ ہونا، ان کے خطا وصواب کو جاننے کا سب سے بہتر طریقہ ہے۔ اسی لیے یہ خواہش پیدا ہوئی کہ دعوت کے ذمے داروں کے سامنے یہ منشور پیش کیا جائے اور ان کے ملاحظات سے اور ان کی آراء سے استفادہ کر کے اس کو مزید بہتر اور کمال سے قریب تر بنایا جائے۔ اس طرح اسے اسلامی تنظیموں اور جمعیتوں کے سامنے رکھا جا سکے گا اور یہ ہماری طرف سے ان کو ہدیہ ہوگا۔ ہر اسلامی تنظیم اور جمعیت اس سے وہ اخذ کرے گی، جو اس کے لیے مفید ہے اور اس میں مزید اضافہ کرے گی۔ اس میں تبدیلیاں لائے گی اور اس میں ان شاء اللہ بڑی خیر ہوگی۔

توفیق اور نصرت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ہم اسی سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنی مرضی کے مطابق چلائے اور اپنی اطاعت کے لیے کام کرنے کی ہمیں توفیق مرحمت فرمائے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

یہ کتاب

تمام مسلمانوں کو بالعموم اور داعیان اسلام کو بالخصوص اس بات کی دعوت دیتی ہے کہ وہ چند ایسے اصول اور قواعد وضوابط کے مجموعہ پر متفق ہو جائیں جو مجموعی طور پر دعوتی کام کے ذریعہ سربلندی کا ایک منشور اور فکر وعمل کا ایک دستور تشکیل کرتے ہوں؛ اس طور پر کہ اتحاد، درستگی اور اثر انگیزی کا میدان وسیع ہو اور اختلاف، غلطی اور تساہلی کی گنجائش کم ہو۔

علاوہ ازیں یہ وحدت وتنوع کے اصول پر قائم دعوتی عمل کی تعمیر کی ایک کوشش ہے؛ اسلام کے اصولوں کے ذریعہ باشعور پس منظر کی تشکیل میں حصہ لینے والے فکر وعقیدے کے ضابطوں میں وحدت، اور پھر زندگی کے مجموعی آفاقی نقطۂ نظر کی تشکیل؛ ساتھ ہی مشترک انسانی وثقافتی دائرے میں تنوع؛ تاکہ ثقافتی واجتماعی میدان کے اندر رہتے ہوئے مسلم ذہن کو جدت پسندی کا موقع حاصل ہو، جس سے وہ اپنا مخصوص اثر پیدا کرے۔

یہ تحریر علم وتجربہ کی امتزاج ہے نیز وجدان اور منصوبہ سازی پر مبنی اہم منصوبہ بندی کی جامع ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ زمان ومکان کے تمام پہلوؤں کو پیش نظر رکھتے ہوئے دعوتی تناظر کا تجزیہ کیا جائے اور پھر تہذیبی پہلو کی روشنی میں اس تناظر کا انتخاب کیا جائے، تاکہ ایسے معلوماتی، منہجی اور عملی طریقوں تک رسائی ہو سکے جو ہمارے دعوتی عمل کے ارتقا پر قادر ہوں اور جس کے نتیجہ میں تسخیر، جانشینی اور زمین کی آبادکاری کی مہم میں انسانی اثر انگیزی کے مواقع کا انکشاف ہو۔

ہشام یحییٰ الطالب

آپ نے 1940 میں عراق کے صوبہ نینوی کے شہر موصل میں آنکھیں کھولیں۔ 1962 میں لیورپول یونیورسٹی (The University of Liverpool) میں برقیاتی انجینئرنگ میں بی اے کیا، 1974 میں امریکہ کے صوبہ انڈیانا کے شہر لافائٹ کی پرودو یونیورسٹی (Purdue University, Lafayette) سے برقیاتی انجینئرنگ میں ہی پی ایچ ڈی کی۔

آپ شمالی امریکہ کے عمومی اسلامی عمل میں شامل ہوئے اور اس عمل سے آج تک وابستہ ہیں، اس کے علاوہ مختلف اسلامی تنظیموں میں متعدد عہدوں پر فائز رہے، چنانچہ 1975 سے 1977 تک امریکہ میں مسلم طلبہ کی تنظیم (MSA) کی قیادت کی تربیت کے پہلے کل وقتی مدیر رہے، 1976 میں طلبہ تنظیموں کے عالمی اسلامی اتحاد (IIFSO) کے جنرل سکریٹری کے منصب پر فائز ہوئے اور آپ نے امریکہ کے اندر اور اس کے باہر قائدانہ تربیت کے کے متعدد ورکشاپ اور گوناگوں سمینارز کا انعقاد کیا۔

آپ 1981 میں عالمی ادارہ برائے فکر اسلامی کے بانی رکن منتخب ہوئے، آپ متعدد وقیع کتابوں کے مصنف ہیں، جن میں قابل ذکر ہیں: تربیتی گائڈ اسلامی کارکنوں کے لیے۔ اس کا بیس سے زائد زبانوں میں اب تک ترجمہ ہو چکا ہے۔ آپ کی دوسری قابل ذکر کتاب کا نام ہے: والدین کی تربیت: خاندانی تربیت کے سلسلے میں منہجی اور عملی نقطۂ نظر۔ آج کل آپ امریکا کی راجدھانی واشنگٹن میں عالمی ادارہ برائے فکر اسلامی کے صدر کے منصب پر سرفراز ہیں۔ ای میل: hishamaltalib.com